بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیضانِ روحانیت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سراج الملت والدین مولانا الحاج الحافظ پیر سید محمد حسین شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ

بسرپرستی زبدۃ العارفین شمس الملت مولانا الحاج الحافظ پیر سید نور حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم

بطلب حمایت زبدۃ العارفین معین الملت مولانا الحاج الحافظ پیر سید محمد حسین صاحب

انجمن خدام الصوفیہ

ماہنامہ

انوار الصوفیہ

قصور

دینی تحریک کا جامع، شریعت و طریقت کا علمبردار، صوفیائے کرام کے حالات اور علمائے حقہ کی تعلیمات کا مخزن

جلد ۵۷ شمارہ ۸

رسالہ

نگران

منبع رشد و ہدایت مولانا الحاج
پیر سید اختر حسین شاہ صاحب
مدظلہم

سالانہ چندہ: ۵/- روپے
فی کاپی: ۵۰/- پیسے

جولائی
۱۹۶۵ء
ربیع الاول
۱۳۸۴ھ

مدیر و معاون

مولانا عبدالعزیز صاحب
مرتضائی قصوری

سرپرست حضرات سے: ۳/- روپے
معاونین کرام سے: ۲۰/- روپے

غلام رسول گوہر ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر:
نے لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار الصوفیہ کوٹ عثمان خاں قصور سے شائع کیا

انوار الصوفیہ رسائل پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری
نے انجمن خدام الصوفیہ کے زیر اہتمام 1905 کو شروع کروایا تھا
رسالہ انوار الصوفیہ کی 68 جلدیں مہیا کرنے پر
میں جناب محمد محمود صاحب کو مشکور ہوں
جن کی لسٹ مندرجہ بالا ہے (بختیار حسین جماعتی)

محمد محمود معزوی جماعتی
خلیفہ مجاز شیخ معزالدین خالصی جماعتی
خلیفہ مجاز سائیں محمد حنیف لال بادشاہ مری

1 1960 October
2 1961 July
3 1961 December
4 1962 Feb
5 1962 May
6 1962 October
7 1963 January
8 1963 June
9 1963 September
10 1964 Feb
11 1964 March
12 1965 January
13 1965 May
14 1965 July
15 1966 June
16 1969 Feb
17 1969 December
18 1970 December
19 1971 Feb
20 1971 November
21 1972 May
22 1972 December
23 1973 March
24 1973 March
25 1973 December
26 1975 March
27 1978 Feb
28 1980 July
29 1981 July
30 1982 Feb
31 1982 July
32 1984 April
33 1959 Agust Rizwan
34 1965 March Hanfi
35 1967 April May
36 1968 October November
37 1969 agust
38 1969 March April
39 1970 May June
40 1971 Agust
41 1971 Janu Feb
42 1973 Agust
43 1973 Aril
44 1974 Agust September
45 1975 December
46 1976 March April
47 1979 June july
48 1980 Dec 1981 Janu
49 1980 October NOvember
50 1981 Jantaree
51 1982 1983 Dec Jan
52 1982 March April
53 1982 May June
54 1983 Feb March
55 1983 May June
56 1983 Nov Decemb
57 1984 Jan Feb
58 1984 October Jantare
59 Aaena Khalq e Muhamadi
60 Majmua Hazar Masla

فہرست

اگر آپ کے رسالہ پر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ آپ کا چندہ اس ماہ سے ختم ہو گیا ہے۔ آئندہ کے لئے آپ فوراً مبلغ پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ اگر خریداری مطلوب نہ ہو تو پوسٹ کارڈ لکھکر مطلع کریں ورنہ جون کا رسالہ بصورت وی پی ارسالِ خدمت ہوگا جس کا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

— گوھر —

مدیر مسئول

تفسیر القرآن

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ، اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور جب ان کو کہا جائے کہ تم ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بے وقوف، سن لو! بے شک وہی بے وقوف ہیں لیکن تم جانتے نہیں۔
وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور جب وہ ملتے ہیں ایمانداروں سے تو کہتے ہیں ہم ایماندار ہیں اور جب جاتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ سوا اس کے نہیں ہم تو ان سے مسخری کرتے ہیں۔ اللہ ان سے مسخری کرتا ہے اور ان کو مہلت دیتا ہے ان کی سرکشی میں کہ وہ حیران پھرتے رہیں۔

جب ان کو ایمانداروں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح لوگ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایمان لائے۔ بعض نے کہا کہ جن کو ایمان لانے کے لئے کہا گیا ہے وہ یہودی ہیں اور جن کی طرح ایمان لانے کو کہا گیا! اس سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں ان احمقوں کی طرح، یہ بات ــ ــ ــ ــ ــ ــ اپنے آدمیوں میں مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر کہتے تھے اگر مسلمانوں کے سامنے ان کی فرمائش کے جواب میں اسی وقت کہتے تو ڈھول کا پول ظاہر ہو جاتا حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ مکر و حیلہ سے اپنے باطن کی خرابی کو مسلمانوں پر ظاہر نہیں ہونے نہیں دیتے تھے

انہوں نے مسلمانوں اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں اور متبعین کو سفہاء کہا۔ سفہاء سفیہہ کی جمع ہے۔ سفیہہ کے معنیٰ خفیف العقل اور فاقد البصیرت کے ہیں جس کو ہم اپنی زبان میں بے وقوف اور احمق کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو انہوں نے احمق کیوں کہا! اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ہمت بالکلیہ دنیا اور اس کے منافع کی طرف مائل تھی۔ ان کے نزدیک عقل و ہوش کا یہی معیار تھا کہ وہ دنیا کمائے اور اس میں خوب عروج اور ترقی حاصل کرے اور اپنے لئے دنیا کی منفعت کو حاصل کرنے اور مضرت اور نقصان سے نجات پانے کی کامیاب کوشش کرے۔ اس کے

برعکس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور آپ کے غلام تا روزِ قیامت دنیا کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے اور دین کی خاطر دہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اولاد اور وطن اور جان کو قربان کرنے میں کوئی فروگذاشت نہیں کرتے تو انہوں نے جو خود احمق اور بے وقوف تھے ، جو دنیائے فانی پر فریفتہ ہو کر آخرت کو جو باقی اور ابدی ہے تباہ کر رہے تھے مسلمانوں کو احمق کہا۔ اللہ نے قرآنِ حکیم میں انکو جواب دیا ، "سن لو بے شک وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں "، کہ وہ بے وقوف ہیں۔۔۔

بے وقوف کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو بے وقوف نہیں جانتا بلکہ وہ اپنے کو دانش والا اور عقل والا جانتا ہے "اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایماندار ہیں " ، یعنی منافقین جب مہاجرین اور انصار کو ملتے تو ان کے دلوں کے شک کو جو ان کے ایمان کے متعلق ہے رفع کرنے کے لئے۔۔۔۔ خوشامدانہ طور پر کہتے کہ "ہم ایماندار ہیں " ، یعنی ہم بھی اسی طرح ایماندار ہیں جس طرح تم ہو۔ اس کے بعد "جب وہ اپنے شیطانوں سے ملاقات کرتے ہیں " تو ان کے شک کو جو ان کے کفر کے متعلق ہے رفع کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ بے شک "ہم تو تمہارے ساتھ ہیں" یعنی تمہارے دین پر ہیں اور یہ جو تم دیکھتے ہو کہ ہم ان کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں یہ "ہم ان سے مسخری کرتے ہیں " ، یعنی اپنے سینوں میں کفر کا چھپانا اور ظاہر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے روبرو اسلام کا اظہار کرنا محض مذاق ہے بے مذاق ہوتا ہی وہ ہے جس کی حقیقت نہ ہو جیسے کسی جاہل ، ان پڑھ شخص کو محض اس کی ڈاڑھی کی وجہ سے "مولانا" کہا جائے۔ یا کسی کو جو وضو میں اسراف کرے اور آنکھیں بند کر کے نماز پڑھے اور دھیمی آواز سے گفتگو کرے اور کھدر کی ٹوپی پہنے اور گردن ٹیڑھی رکھے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چلے ، "حضرت جی یا صوفی جی" کہا جائے حالانکہ اس کو تصوف اور صوفیا کے طریق کار کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

منافقین اسلام کا اظہار اس لئے بھی کرتے تھے کہ کہیں جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل نہ ہو جائیں اور اس لئے کہ غنائم و صدقات سے مال حاصل کریں۔

ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبَی اور اس کے احباب کے حق میں نازل ہوئی۔ واقعہ اس کا یوں ہے کہ ایک دن عبداللہ بن ابی اپنے دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرہے ہیں جن میں ابوبکر ، عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی نے اپنے دوستوں سے کہا دیکھنا کہ میں ان احمقوں کو تم سے کس طرح پھیرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا مرحبا! اے تمیم کے سردار ، غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی! اے بنی عدی بن تمیم کے سردار! صاحب قوت! حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے!

؎ اور حضور علیہ السلام پر جان و مال قربان کرنے والے! پھر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا [illegible] اور کہا اے بنی عدی بن تمیم [illegible]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی جان قربان کرنے والے! پھر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا، اور کہا مرحبا! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد! اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مستثنیٰ کر کے تمام بنی ہاشم کے سردار! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے عبد اللہ! خدا سے ڈر! منافقت نہ کر اس لئے کہ منافقین اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ اس نے کہا اے ابوالحسن! آپ بردباری اور تحمل سے کام لیں، میں نے جو کچھ کہا ہے نفاق سے نہیں کہا۔ بخدا ہمارا ایمان تمہارے ایمان کی مانند ہے اور ہماری تصدیق تمہاری تصدیق کی مانند ہے پھر وہ جدا جدا ہو گئے۔ (تفسیر خازن)

اس کے بعد اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو نفاق انہوں نے چھپایا تھا اس کو طشت از بام کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی جو آپ نے اس کے حق میں فرمایا تھا تصدیق کی۔

جب منافقین نے کافروں سے کہا کہ ہم تو مسلمانوں سے مسخری کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا "اللہ ان کے ساتھ مسخری کرتا ہے اور ان کو مہلت دیتا ہے ان کی سرکشی میں کہ حیران سرگرداں رہیں"۔

اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ مسخرہ پن کرے۔ مسخری کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ یہاں استہزاء جس کے معنی مسخری کے ہیں، سے حقیقۃً مسخری مراد نہیں بلکہ اس کی جزا مراد ہے۔ جزاء پر مسخری کا اطلاق اس لئے کیا کہ وہ اس کے مقابلے میں ہے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ بعض اوقات فعل کی جزاء پر بھی فعل کا اطلاق کر دیتے ہیں،

ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن منافقین کے سامنے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا جب یہ اس تک پہنچیں گے تو اس کو ان پر بند کر دیا جائے گا، اور یہ اپنا سا منہ لیکر رہ جائیں گے۔

(بقیہ) ـــ احاصل کر کے تشریف لا رہے تھے۔ ایک بشارت کے مطابق ابھی تین حج مبارک اور ادا فرمائیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

الحمد للہ! کہ فقیر کو حاضری کا موقعہ مل گیا اور خوب ذوق سے شرف قدم بوسی نصیب ہوئی۔ ایسے حضرات کے صدقہ سے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر بڑے بڑے کرم فرماتا ہے۔

میری یہ دعا ہے کہ مولا تعالےٰ حضرت کا سایۂ اقدس مسلمانوں کے سروں پر تا دیر قائم رکھے۔ آمین!

نوٹ: حضرت کے مختصر حالات زندگی پر لاہور کے ایک صاحب کی لکھی ایک کتاب بنام "تذکرۂ فقیہ اعظم" منگوا کر مطالعہ کرنے سے آپ کی شخصیت اور اجاگر ہو جاتی ہے۔
پتہ:۔ مکتبہ نوریہ نعیمیہ، بصیر پور ضلع منٹگمری

در منقبت عالیجناب فضیلت مآب اعلیحضرت عظیم البرکت امیر ملت مجدد مأتہ حاضرہ
الحاج الحافظ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
از رشحات قلم جناب ڈاکٹر شیخ محمد اللہ دتہ صاحب طالب کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ سب اسسٹنٹ سرجن
از ملک مصر۔ شائع شدہ انوار الصوفیہ بابت ماہ نومبر، دسمبر ١٩١٨ء مطابق ماہ محرم الحرام و صفر المظفر ١٣٣٧ھ

تعارف: قبلہ ڈاکٹر صاحب کی ذات ستودہ صفات مزید کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ جماعتیہ کی اہم کڑی تھے اور حضرت امیر ملت کے منظورِ نظر خلفاء میں سے ایک بزرگ ہستی تھے۔ آپ نے تمام زندگی اپنے شیخ کے نقشِ قدم پر چل کر بسر کی۔ اسی رنگ کا اثر تھا کہ کئی بار زندگی میں جان پر بن جانے کے باوجود بھی آپ بڑے سے بڑے جابر حاکم کے سامنے بھی اعلائے کلمۃ الحق کرنے سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔

آپ کے دوستوں کی دیرینہ خواہش تھی کہ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کی زبان ترجمان حقیقت بیان سے ادا شدہ کلمات طیبات کا کچھ حصہ ہر ماہ انوار الصوفیہ میں شائع کیا جائے تاکہ اس ماہنامہ سے وابستہ حضرات کے دلوں کو آپ کی یاد ہمیشہ گرماتی رہے اور آپ کے پند و نصائح ان کی روحانی تسکین کا باعث بنتے رہیں۔

ماضی میں فقیر فوجی ملازمت کے باعث عدم فرصت کا شکار رہا لہٰذا اب اس سے سبکدوش ہونے پر فرصت ہاتھ لگنے کے باعث انشاء اللہ العزیز ہر ماہ قبلہ گاہی کے کلام بلاغت نظام سے منتخبے از خروارے اشاعت کے لئے بھیجتا رہوں گا۔ مندرجہ ذیل شجرہ شریف اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کو اعلیحضرت امیر ملت سے کس قدر والہانہ محبت تھی سچ ہے قدر گل بلبل بداند قدر گوہر جوہری اسی جذبہ کے تحت یہ منقبت حیطۂ تحریر میں آئی محبِ صادق جب محبت میں سرشار ہو کر اپنی دلی کیفیت کا اظہار کرتا ہے تو اس جذبہ کے تحت جو الفاظ اس کی زبان سے ادا ہوں وہ قدرتی طور پر انمول مصرعوں میں ڈھل جاتے ہیں اور یہ ساری کیفیت بزمیہ کلام کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اگر اس طرح کا کلام

قافیہ اور ردلیف کی حدود کو بھی پھاند جائے تو بھی یہ نیچرل شاعری علم و ادب میں اپنا خاص مقام رکھتی ہے
شیخ سے عقیدت اہلِ تصوف کی نگاہ میں
روحانی ترقی کا پہلا زینہ کہلاتی ہے۔ محب اسی زینہ سے عشق کی تمام منزلیں طے کرتا ہے۔ یہ پہلا قدم ہی بعض خوش نصیبوں کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ عاشق کا کام زینے پر قدم رکھنے کا ہے اور باقی سارا کام زینے والے کا ہے۔ جہاں زینے والے کی انتہا ہو گی وہی عاشق کا مقام ہو گا (الحدیث) المرءُ مع من احبّ۔

جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہے یہ قصیدہ آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر ان ہی ایام میں حیطۂ تحریر میں آیا اور اس سے یارانِ طریقت نے اپنے دلوں کو گرمایا۔ گو زمانے کے بُعد کے باعث نہ وہ محفلیں باقی رہیں اور نہ ہی ان محفلوں کو سجانے والے لیکن فقیر کی تمنا ہے کہ گردشِ زمانہ خواہ پیچھے لوٹے یا نہ لوٹے آؤ چند لمحوں کے لئے ہم ہی چند پرانے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھ لیں تاکہ پتہ چلے کہ وہ پاک و بزرگ ہستیاں جن کی عمر بھر کی کمائی اعلائے کلمتہ الحق اور جہاد فی سبیل اللہ ہی تھی، گزشتہ تاریخ میں اس کا کیا مقام تھا اور آنے والی نسلیں ان کے روحانی فیض سے کس حد تک اکتسابِ علم و عرفان کر سکتی ہیں۔ کیونکہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

اب غور طلب بات یہ ہے کہ آؤ ہم بھی اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے جس عقیدت کا اظہار قبلہ امیرِ ملت سے کیا ہے کیا ہمیں بھی اپنے شیخ سے ویسی ہی عقیدت ہے؟ اگر واقعی ہے تو پھر ہم نے اتباعِ شیخ میں ان کے مقام کو پا لیا اور روحانی ترقی کی راہیں ہم پر بھی واشگاف ہو گئیں اور اگر معاملہ برعکس ہے تو دوستو پھر اپنا مقام تلاش کر لو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے شیخ اور ان کی تعلیمات سے اس قدر وابستہ رکھے کہ اس تعلق کی بنا پر سرکارِ دو عالم سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم تک درجہ بدرجہ رسائی نصیب ہو ؎

برکریماں کارہا دشوار نیست

اتباعِ سنت عین محبتِ الٰہی ہے قرآن مجید قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

نوٹ:- شجرہ شریف انشاء اللہ العزیز آئندہ اشاعت ماہِ اگست کے شمارہ میں شائع کیا جائیگا۔ اس دفعہ ہم کثرتِ مضامین اور قلتِ صفحات کے باعث جناب صاحبزادہ کیپٹن محمد امین صاحب سجادہ نشین کنجاہ شریف کی خدمت میں نہایت ادب سے معذرت خواہ ہیں۔ (گوہر)

خلیفۂ مجاز کوکب طریقت
مولانا الحاج اللہ دتہ ڈھلیاں صاحب
لائل پور

نماز کے فوائد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰ الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعٰلمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین

خالق ذوالجلال والاکرام کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے ہمیں انسان بنا کر اشرف المخلوقات کے لقب سے مزین فرمایا ہے اور پھر اپنے لاڈلے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا جس کی امت میں انبیائے عظام بھی پیدا ہونے کے لئے بارگاہِ صمدیت میں التجائیں اور آرزوئیں کرتے ہیں زمان بعد دورِ حاضر میں وہ ولی کامل بلکہ اکمل جن کو علمائے حاضر نے قیوم زماں اور مجدد تسلیم کیا ہے عطا کیا ہے راولپنڈی کانفرنس میں تمام اہلِ اسلام نے آپ کو امیرِ ملت کے خطاب سے یاد فرمایا۔ الحمد للہ، ھٰذا من فضل ربی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ ارکان میں سے جس رکن پر نہایت شدومد کے ساتھ بکثرت ساڑھے سات صد مرتبہ ارشاد فرمایا وہ "نماز" ہے۔ آج فقیر پُر تقصیر نماز کے متعلق چند فوائد ذیل میں درج کرتا ہے:۔

۱۔ نماز روزی کو فراخ کرتی ہے۔ ۲۔ صحت کی محافظ ہے۔ ۳۔ بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ ۴۔ دل کو تقویت پہنچاتی ہے۔ ۵۔ چہرہ کو خوبصورت اور منور کرتی ہے۔ ۶۔ جان کو فرحت پہنچاتی ہے۔ ۷۔ اعضاء میں نشاط پیدا کرتی ہے۔ ۸۔ کاہلی کو دفع کرتی ہے۔ ۹۔ شرحِ صدر کرتی ہے۔ ۱۰۔ روح کی غذا ہے۔ ۱۱۔ دل کو منور کرتی ہے۔ ۱۲۔ اللہ کے انعام کی محافظ ہے۔ ۱۳۔ عذابِ الٰہی سے حفاظت کا سبب ہے۔ ۱۴۔ شیطان کو دور کرتی ہے۔ ۱۵۔ رحمٰن سے قرب پیدا کرتی ہے۔ ۱۶۔ روح اور بدن کی صحت کی حفاظت میں اس کو خاص دخل ہے۔ ۱۷۔ دونوں چیزوں میں اس کی عجیب تاثیر ہے نیز دنیا اور آخرت کی مضرتوں کے دور کرنے میں اور دونوں جہاں کے منافع پیدا کرنے میں اس کی بڑی تاثیر ہے۔ ۱۸۔ نماز اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ ۱۹۔ فرشتوں کی محبوب چیز ہے۔ ۲۰۔ انبیاء کی سنت ہے۔ ۲۱۔ معرفت کا نور پیدا کرتی ہے۔ ۲۲۔ اس سے دعا قبول ہوتی ہے۔ ۲۳۔ ایمان کی جڑ ہے۔ ۲۴۔ بدن کی راحت ہے۔ ۲۵۔ دشمن کے لئے ہتھیار ہے۔ ۲۶۔ نمازی کے لئے سفارش ہے۔ ۲۷۔ قبر میں چراغ ہے اور اس کی دہشت میں دل بندھانے والی ہے۔ ۲۸۔ منکر نکیر کے سوال کا جواب ہے۔ ۲۹۔ قیامت کی دھوپ میں سایہ ہے۔ ۳۰۔ اندھیرے میں روشنی ہے۔ ۳۱۔ جہنم کی آگ کے لئے آڑ ہے۔ ۳۲۔ اعمال کی ترازو کا بوجھ ہے۔ ۳۳۔ پل صراط پر جلدی سے گذارنے والی ہے۔ ۳۴۔ جنت کی کنجی ہے۔

محبوبِ خدا

از:- راز القادری بدایونی

خدا کے نور کے پیکر ہو، محبوبِ خدا تم ہو
شفیع المذنبیں تم ہو، امام الانبیاء تم ہو

نگاہِ شوق کیوں محروم رہ جائیگی جلووں سے
قسم اللہ کی ہر چیز میں جلوہ نما تم ہو

مجھے کیا خوف مرقد کا مجھے کیا خوف محشر کا
گنہگارانِ امت کا حقیقی آسرا تم ہو

چھپا تم سے نہیں کوئی بھی رازِ فطرتِ ہستی
دلوں کو دیکھنے والے مرے دل کی دوا تم ہو

قیامت میں بھی ہم کو خوفِ عصیاں ہو نہیں سکتا
ہمیں تو بخشواؤ گے، ہمارا آسرا تم ہو

دو عالم آج تک ناواقفِ رازِ حقیقت ہے
جہاں کی ہر حقیقت کے حقیقت آشنا تم ہو

بتائے دو جہاں تم کو تمہارا رازؔ کہتا ہے
خدا معلوم اس کے ماسوا بھی اور کیا تم ہو

:- رموز ذوالفقار علی بیگ ، حیدرآباد دکن :-

لطف صحبت صادق کا دلا ان کے ساتھ
مثل پروانہ تھا ہر اہلِ صفا ان کے ساتھ

۱۹۴۶ء میں آخر بار علی پور شریف حاضر ہوا تھا حضرت صوفی مولوی خلیفہ محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنجیدہ کم سخن اور اکثر و بیشتر مراقبہ میں مشغول رہا کرتے تھے حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں جب مرحوم حاضر ہوتے تھے تو بعد سلام و قدم بوسی دُور روبرو دو زانو اپنا سر جھکا کے بیٹھ جایا کرتے تھے حضوری میں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھتے تھے ، بہت باادب تھے ۔ اسی طرح حضرت صوفی علامہ خلیفہ پروفیسر حامد حسن صاحب محمد تقی قادری باادب تھے ۔ اس سال بعد ختم سالانہ عرس شریف بتاریخ ۲۵ مئی ۱۹۴۶ء میرے حضور خواجۂ طریقت قبلۂ دین و ایمان حضرت امیرِ ملّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسبِ عادت شریف بعد مغرب دو منزلہ بابِ رحمت حویلی کی چھت پر زیرِ آسمان رونق افروز تھے تمام چھت پر یارانِ طریقت بیٹھے تھے ۔ ڈیڑھ ، دو سو کا مجمع ہو گا ، جب ذکر ہو رہا تھا حضرت حامد حسن صاحب قادری مرحوم نے دست بستہ عرض کیا " یا حضور ! حضور نے پہلا حج کب ادا فرمایا تھا ؟ " میرے حضور خواجۂ طریقت رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا " ۱۳۱۰ھ ہجری میں " امرتسر کا شیخ اللہ بخش ایک بہت مالدار ، نیک شخص تھا ، وہ بھی ساتھ تھا ، انتقال ہو گیا ، ہم کل نو (۹) آدمی تھے ، دو آدمی میرے ساتھ تھے " ۔

بعد ازاں حضرت الحاج صوفی خلیفہ کرم الٰہی صاحب بی ۔ اے ایڈووکیٹ مرحوم نے کشمیر کا حال بیان فرمایا ۔ کچھ دیر بعد حضرت علامہ سید ولایت حسین شاہ صاحب نے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی تو میرے سرکار محبوبِ ربانی امیرِ ملّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موصوف سے ارشاد فرمایا " یہ تین وظیفے خدائی ہیں تم کو اجازت ہے کہو قبول کیا ، موصوف نے عرض کیا کہ میں نے قبول کیا " پھر ارشاد فرمایا کہ ایک وظیفہ بعد نمازِ عصر کا یہ میرے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے مرحمت فرمایا اور دو باقی

وظیفے سوتے وقت پڑھنے کے جو ہیں ان میں سے ایک میرے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے ہے، دوسرا حضرت فضل الرحمن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آباد کی اجازت سے ہے جو میرے استاد تھے"۔

شب کو آٹھ بجے حضور امیرِ ملت رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر بندہ نے کھانا کھایا اور حضرت قادری صاحب مرحوم کے کمرے میں گیا۔ وہاں بندہ نے اپنی نوٹ بک میں مذکرہ بالا ارشادات لکھ لئے جو کہ آج تک محفوظ ہیں اور حضرت قادری صاحب مرحوم نے بھی اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا تھا۔

حضور شمس الملت الحاج حافظ علامہ پیر سید نا نور حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی نے اس بندۂ بے دام کو ایک جلد کتاب "آفتابِ عالم تاب" من تالیفِ لطیف بخشی مصطفٰے خاں صاحب کی بھیجی ہے اس کتاب میں بھی صـ۱۱ پر سن ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے پہلا سفرِ حج فرمایا، تحریر ہے۔

حضور شمس الملت مدظلہ نے ازراہ بندہ پروری رسالہ انوار الصوفیہ بابت نومبر، دسمبر ۱۹۶۴ء بندہ حقیر کو علی پور شریف سے بھیجا ہے جو بندہ کو یکم مئی ۱۹۶۵ء کو بمدست ہوا ہے۔ اس رسالہ کے صـ۲۵ پر یار فی الطریق حضرت مولانا کلیم صاحب حیدر آبادی مدظلہ کے مضمون میں تحریر ہے کہ حضور محبوب ربانی قیوم جہاں خواجہ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے سن ۱۹۱۰ء میں پہلی مرتبہ سفرِ حج فرمایا تھا۔ شاید یہ کتابت کی غلطی ہے یا پھر حضرت کلیم صاحب سے چوک ہو گئی ہے میرے سرکار خواجہ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آخری حج ۱۳۶۸ھ ہجری مطابق ۱۹۴۹ء عیسوی ادا فرمایا تھا اور یہ سفر بذریعہ ہوائی جہاز فرمایا تھا۔

حضور امیرِ ملت نے (رضی اللہ عنہ) کل کتنے حج فرمائے تھے! اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے یا حضور امیرِ ملت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اہل بیتِ اطہار کو ہے کیونکہ جب کبھی کسی نے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تعدادِ حج دریافت کیا تو ارشاد مبارک یہ ہوتا تھا "فقیر نے حساب رکھنے کے لئے حج نہیں کئے"۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ میرے حضور امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے چالیس حج ادا فرمائے ہیں۔ اب اگر سن ۱۹۱۰ء عیسوی پر اعتبار کیا جائے تو سن ۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۹ء تک ۳۹ حج ہوتے ہیں، ایک کی کمی ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں میرے سرکار محبوب ربانی امیرِ ملت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہر سال یعنی مسلسل حج ادا نہیں فرمائے تھے۔ حجاز کی ارض پاک پر جب نجدی ... کا تسلط ہو گیا تو حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسلسل سات سال تک حج ادا نہ فرمایا تھا۔ جنگِ عظیم اول و دوم کے زمانہ میں ماسوائے ۱۹۴۲ء کے کوئی حج ادا نہیں فرمایا تھا۔

عمر شریف

ستمبر ۱۹۳۹ء میں بندہ بلوچستان گیا ہوا تھا کیونکہ میرے خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ کا قیام اس زمانہ میں وہاں تھا حضور امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے لبِ دریائے اٹک چار حجرے تعمیر کرائے تھے جو موسوم بہ "جماعت منزل" آج تک قائم ہیں،

"جماعت منزل سے متصل ایک نہایت قدیمی مسجد ہے اس مسجد میں ایک عالم فاضل متوکل بزرگ مقیم تھے میرے سرکار امیرِ ملت رضی اللہ عنہ اس متوکل بزرگ پر بہت شفقت فرماتے تھے، اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے، چائے پلاتے تھے، اپنے ملبوسات عطا فرماتے تھے۔

ایک دن دوپہر کے کھانے کے بعد ان بزرگ متوکل سے حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا "مولوی صاحب! آپ کی عمر کتنی ہے؟" "مولوی صاحب نے عرض کیا" میری عمر ۶۰ سال ہے۔" پھر میرے حضور خواجۂ طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا" میں آپ سے چھتیس سال بڑا ہوں۔" جب دربار برخاست ہوا تو بندہ نے یہ روداد بھی اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا تھا جو ہنوز محفوظ ہے۔ اس ارشاد کی بنا پر حضور امیرِ ملت رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۱۹۳۹ء میں (۹۶) یعنی نوے پر چھ سال زیادہ تھی۔ اس حساب سے ۱۸۴۳ء سن ولادت قرار پاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں عمر شریف (۶۷) سال کی ہوتی ہے اور مشہور یہ ہے کہ میرے حضور امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے بھی اسی سال پہلا حج ادا فرمایا تھا۔ میرے حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بزمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں میں جوان تھا۔" ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی لڑی گئی تھی مگر انگریز نے اس جنگ کو غدر کا نام دیا۔ حال یہ تھا کہ ؏

جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے

دریا جمنا کے کنارے بے گناہ ہندوستانی صف میں کھڑے کئے جاتے تھے، کسی صف کو بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا تو کسی صف کو توپ سے اڑا دیا جاتا تھا۔ دارالسلطنت دلّی سے لوگ بھاگ رہے تھے جو سرخ و سفید نظر آتا تھا اس پر کانا مشکاف کے سولجر کی گولی چل جاتی تھی۔ سرخ و سفید مغل ہوتے تھے۔ مغل بادشاہ ظفر کی حکومت تھی، ظفر بادشاہ کی پھوپھی علاوہ منور زمانی بیگم میرے پردادا مرزا جواز بیگ عرف مرزا مغل کو بیاہی گئی تھیں۔ قلعۂ معلّٰی سے ہمارا یہ تعلق تھا، جانا آنا تھا اور جن کا تعلق قلعۂ معلّٰی سے تھا وہ تو بطورِ خاص بزن کئے جاتے تھے، لہٰذا میرے خاندان کے متعدد جوان چاندنی چوک میں فتحپوری مسجد سے تربیت کا نا مشکات کی جمعیت سے مقابلہ کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے سب شہید ہو گئے

طوائف الملوکی بھی بزرگ یارانِ طریقت سے بندہ نے سنا تھا کہ مخلوق حیران پریشان تھی۔ بہت سے علی پور شریف حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر اپنی حفاظت کے واسطے دعا کے خواستگار ہوتے تھے اور اپنی حفاظت کے لئے تعویذ حاصل کرتے تھے۔

دریائے جمنا کے کنارہ ایک مرتبہ ایک صف پر گولیاں چلائی گئیں، سب شہید ہو گئے، ایک شخص زندہ سلامت کھڑا رہا اور اس کو گولی نے کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا۔ انگریز کمانڈر نے اس شخص پر مکرر گولی چلوائی مگر پھر بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ زندہ سلامت رہتے ہیں کھڑا رہا، تیسری بار پھر اس کو گولی ماری گئی اور پھر اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تو انگریز کمانڈر نے اس شخص سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم پر گولی کارگر نہیں ہوتی ہے! اس اللہ کے بندے نے کہا میرے پیر صاحب کا دیا ہوا تعویذ میرے سر پر بندھا ہوا ہے۔ اس انگریز کمانڈر نے اس مردِ مومن کے بازو سے وہ تعویذ نکال لیا اور پھر اپنے سولجر کو حکم دیا کہ اس آدمی پر گولی چلائے گولی چلائی گئی اور کارگر ہوئی، اور یارِ طریقت جاعتی شہید ہو گیا۔

یہاں حیدر آباد دکن میں آخر مرتبہ ۱۹۳۵ء میں میرے حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تھے اور الحاج قاری چودھری محمد شہاب الدین صاحب مرحوم کے گھر میں قیام فرمایا تھا۔ ایک صبح نواب بہادر یار جنگ مرحوم حاضرِ خدمت ہوئے ضمن گفتگو میں حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا "غدر کے وقت میں جوان تھا"۔ آخری حج ۱۹۳۹ء میں ادا فرمایا تھا بغرضِ سفرِ حج پاسپورٹ میں حضور خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی عمر شریف ایک سو آٹھ (۱۰۸) سال لکھوائی تھی اس حساب سے سنِ پیدائش مبارک ۱۸۴۱ء قرار پاتا ہے۔

۲۲ رمئی ۱۹۳۶ء عیسوی روز جمعرات صبح کا وقت تھا۔ بابِ رحمت میں بندہ حقیر اپنے سرکار امیرِ ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائیں پہلو میں بالکل قریب بیٹھا ہوا تھا اس گنہگار کو اسی مقام پر بیٹھنے کا حکم تھا "الامر فوق الادب" ورنہ میری کیا مجال تھی کہ آلِ رسول نورِ مجسم، محبوبِ ربانی، عاشقِ رسول کے اس قدر قریب بیٹھتا۔ حضرت صوفی خلیفہ محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے، دراز کئے اور ہاتھوں پر اپنا سر رکھا اور پھر عرض کیا یا حضور! حضور نے بیعت کس مقام پر کی؟ خواجۂ طریقت امیرِ ملت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بمقام چک"۔ حضرت محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے، یہ میرے حضور محبوبِ ربانی امیرِ ملت رضی اللہ عنہ کا رعب تھا۔ میرے حضور محبوبِ ربانی سراپا جمال تھے باز ہم رعب کا یہ عالم تھا کہ

کسی کو ذرا سی بھی بے ادبی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اس دن دوپہر کے کھانے کے بعد بندہ حضرت حامد حسن صاحب قادری مرحوم کے کمرہ میں گیا وہاں حضرت محمد عظیم صاحب مرحوم بھی رونق افروز تھے میرے دریافت کرنے پر محمد عظیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ میری عمر ۷۰ سال ہے۔ ۱۸۹۵ء میں میں غلامی میں شریک ہوا تھا حضور قبلہ عالم امیرِ ملت رضی اللہ عنہ کے پہلے مرید حضرت خیر شاہ صاحب ہیں اور خلیفہ حضرت غلام محی الدین صاحب ہیں۔ حضرت خواجہ عالم اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب ثانی کے ہمراہ پیر و مرشد کے پاس پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تھے۔ حضرت صوفی محمد عظیم صاحب مرحوم بیعت کرنے کے سات سال بعد خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمائے گئے تھے۔

حیف در چشم زدن مٹ گئے ارمانِ ریاض
آہ! وہ جذبۂ دل بھی تو گیا ان کے ساتھ

(الحشر ۲۰) تو ہماری یہ انتہائی بدنصیبی ہے، ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے اپنے آپ کو بہترین راہ پر لگانا چاہیئے۔ بہترین راہ وہی ہو سکتی ہے جسے اللہ اور اس کا رسول پسند فرمائیں ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ! کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جس محبوبِ خدا کے نام کی ہیبت سے وقت کے فرعون و نمرود اپنے محلوں میں کانپتے تھے آہ! آج ہم مسلمانِ عالم اسی رسولِ کریم کے ہدایت سے منہ موڑے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا کی بادشاہت لی تھی اور ملی تھی۔ خدا نے اسی رسولِ کریم کے اسوہ حسنہ کی تقلید و اتباع تمہارے اوپر فرض قرار دی تھی لیکن تم آج اس رسولِ کریم کا صرف نام لیتے ہو اور دعویٰ محبت کا کرتے ہو لیکن عمل سے بہت دور رہتے ہو آپ کی مقدس زندگی کے حالات سے بالکل غافل ہو گئے ہو، تمہاری دنیا پرستی اور غفلت نے تمہیں ساری دنیا میں بزدل و کم ہمت و مجبور و محکوم اور بیکس و بے بس بنا دیا ہے۔ عزت و عظمت، شان و شوکت اور رعب و ہیبت تم سے چھین لی گئی ہے اور ادبار و افلاس، ذلت و خواری اور حیرانی و پریشانی کی زندگی تمہاری تقدیر بن گئی ہے۔ عدم تعاون و حرکت بے عمل قوم کیلئے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (سورہ رعد پ۱۳ رکوع ۲، آیت ۱۱) ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

خداوند دنیا کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں آپ اپنی اور اپنے محبوب اکرم کی محبت کا صحیح جذبہ عمل کی توفیق عطا فرما جہاں تک کی نگاہوں میں علم و عرفان کا نور عطا فرما۔ آمین ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی !
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے !

بیت اللہ

(درد کاکوروی)

ضیائے عرشِ خدائے جہاں ہے بیت اللہ
کہ بے نشاں کا سراپا نشاں ہے بیت اللہ

خدا کے دین کا یہ پاسباں ہے بیت اللہ
کہ عین مرکزِ نظمِ جہاں ہے بیت اللہ

ہر اک نبی نے جھکا دی یہاں پہ پیشانی
خدا کا گھر ہے کہ یہ لامکاں ہے بیت اللہ

فضا میں جس کی ہیں حضرتِ خلیل کی خوشبو
وہ بوستاں ہے وہی گلستاں ہے بیت اللہ

وہ جسکی گود میں ہے نقشِ پائے ابراہیم
قسم خدا کی وہ عالی مکاں ہے بیت اللہ

خموشیوں سے ہیں گویا جنابِ اسمٰعیل
مرا بیاں ہے مری داستاں ہے بیت اللہ

جو اہلِ دل ہیں بصیرت سے وہ یہ کہتے ہیں
جہانِ دل کا خدا آستاں ہے بیت اللہ

ہیں لاکھوں مومن و مسلم کھنیچے چلے آتے
خدائے پاک کا جذب نہاں ہے بیت اللہ

خدا کا دستِ کرم ہے کہ سنگِ اسود ہے
کہ حق کے نور کا مہبطِ مکاں ہے بیت اللہ

ٹھہر ٹھہر کے پلاتا ہے جام زمزم کے
ہمارے واسطے پیرِ مغاں ہے بیت اللہ

وجودِ ذات ہے کون و مکاں سے پاک مگر
شہودِ ذاتِ خدائے جہاں ہے بیت اللہ

یہ دل سے شوقِ زیارت میں کہہ رہا ہے!
غبارِ راہ ہوں میں ۔ کارواں ہے بیت اللہ

—چکیدۂ قلم احمد دین گرولی :—

حمد اُس جل شانہٗ کو جس کو قرآنِ پاک نے رزّاق، خالق، رب اور مختلف ننانوے ناموں سے یاد کیا ہے اور صلوٰۃ وسلام با کمالِ ادب و احترام اس کے حبیب اقدس محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ رحمۃ للعٰلمین سردارِ کونین کو جو ذات وصفات میں احکامِ الٰہی کے مظہرِ اتم ہیں اور جن کو اللہ جل شانہٗ نے خاتم المرسلین شفیع المذنبین بنایا اور بعد ان کے صلوٰۃ وسلام ان کی اہلِ بیتِ اطہارؓ و صحابہ کرام اجمعین، اتباعِ اہلِ ادب، صالحین اور پیشوایانِ امت پر لاکھ لاکھ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اما بعد :

الٓـمّٓ ہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ

ترجمہ، یہ وہ کتاب ہے جس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے کہ شک اس میں ہوتا ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ قرآنِ پاک ایسی قوی اور واضح دلیلیں رکھتا ہے جو عاقلِ منصف کو اس کے کتابِ الٰہی اور حق ہونے کے یقین پر مجبور کرتی ہیں، اس آیت کریمہ سے بنظرِ غائر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآنِ پاک ابدالآباد تک ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے جو مندرجہ ذیل دلائل سے ہر مسلمان بلکہ ہر ذی روح کے ذہن نشین ہو جاتا ہے :

۱ : قرآنِ پاک کو با ترجمہ پڑھنے سے صاف صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ کی ذاتِ مبارک خود بولتی نظر آتی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں بارہا دفعہ ذکر آتا ہے کہ "واذ قال ربک"۔

ایک دفعہ ایک انگریز پروفیسر (ہمٹن) نے بھی قرآنِ پاک کے بارے میں ایک بیان دیا تھا جو متعدد اخباروں اور رسالوں میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ ہر جگہ بولتا نظر آتا ہے لہٰذا وہ کتاب جس میں خدا نے بابرکت کی ذات خود بولتی نظر آئے وہ بلاشبہ زندہ اور روشن ہے "قد جاءکم من اللہ نور و کتٰب مبین ہ"

۲:۔ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام علیحدہ علیحدہ قوموں کے درستیٔ اعمال کی خاطر مبعوث ہو کر آتے رہے اسی طرح ان کی امم کے لئے بھی کتابیں اور صحیفے نازل ہوتے رہے۔ ان میں کوئی کتاب بھی ہمہ عالم کے لئے نازل نہیں ہوئی کیونکہ ایک وقت میں مختلف علاقوں میں مختلف قوموں کے لئے انبیاء آئے اس لئے ان کی کتابیں بھی خصوصاً اسی امت کے لئے نازل ہوتی رہیں لیکن سبحان اللہ! قرآن پاک کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک کسی خاص قوم کے لئے نہیں، یا کسی خاص وقت کیلئے بلکہ تمام بنی نوع انسان کیلئے ہدایت کا سرچشمہ ہے اور رہتی دنیا تک تمام جن و انس کے لئے ہدایت ہے اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کتاب جو ہر وقت میں لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہو وہ ایک زندہ اور روشن ظاہر ہوتی ہے۔

۳:۔ قرآنِ پاک کا بالتفسیر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثتِ محمدی سے پہلے علمائے دین اپنی روزی کی خاطر الہامی کتابوں میں ردّ و بدل کرتے رہتے تھے جیسا کہ عاشقِ رسول حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر قرآن پاک میں لکھتے ہیں کہ جب حضور سید انبیاء، فخرِ موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو علمائے یہود نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اوصاف و کمالات مذکور تھے، تبدیل کر دئے تاکہ لوگ اسلام لانے سے گریز کریں (سورہ بقرہ آیت ۷۹)

[illegible] کی نے جا بجا تصریح کر دی ہے کہ یہود کے علماء دنیاوی فوائد کی خاطر توریت میں تبدیلیاں کرتے رہتے تھے اور اب بھی کرتے رہتے ہیں، یہ قدرے صحیح ہے کہ کچھ صحیح تعلیمات میں اب بھی سلامت ہیں مگر اس وقت توریت مکمل تعلیم سے بالکل عاری ہے۔ موجودہ عہد میں مغربی اقوام کے اکثر علماء بھی توریت کی اصلیت کے قائل نہیں۔ الہامی کتب میں انجیل کو اگر اٹھا کر دیکھا جائے تو وہ بھی اپنی اصلی حالت میں نظر نہیں آتی جس انجیل کا قرآن حکیم میں ذکر ہے وہ آج کہیں بھی اپنا وجود نہیں رکھتی۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی انجیلیں لکھی گئی تھیں جن کا آپس میں کافی اختلاف ہے لہٰذا چوتھی صدی عیسوی میں موجودہ اناجیل اربعہ اور ان کے دیگر صحیفوں کو منتخب کر کے عہد نامہ جدید تسلیم کیا گیا۔ لفظ اناجیل سے صاف ظاہر ہے کہ انجیل کی مختلف قسمیں ہیں جسے آج کل کی عیسائی اقوام مانتی ہیں لیکن اصل انجیل تو ایک ہی مسلم ہو گی۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مختلف انجیلیں نازل فرمائی تھیں؟ ہرگز نہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک ہی انجیل نازل فرمائی جس کو ماننے والے اہلِ کتاب کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس سے انجیل کے صحیح حالت میں نہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس کے برعکس اگر قرآنِ کریم کی ورق گردانی کی جائے تو اس میں ایک زیر زبر اور پیش کا بھی فرق نظر نہیں آتا اور نہ آئے گا خواہ وہ عرب، عجم، ہند و پاکستان حتیٰ کہ اسلامی ممالک کی کسی بھی پریس میں چھاپا گیا ہو۔ قرآن پاک کا آج تیرہ سو

پچاسی سال پہلے سے موجودہ وقت اور آئندہ بھی انشاء اللہ اسی صورت میں رہنے کی حالت سے صاف اور عیاں طور پہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے۔ اگر یہ زندہ معجزہ نہ ہوتا تو دوسری الہامی کتابوں کی طرح اس میں بھی کافی فرق آجاتا۔ (معاذ اللہ!) لیکن ایسا ہرگز نہیں اور نہ ہوگا، اِنْ شَاءَ اللہ۔ جن الفاظ میں روح القدس اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے ہادیٔ برحق حضرت محمد مصطفٰے احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک لائے اسی دن سے آج تک اور ابد الآباد تک انہی الفاظ میں ہے اور رہے گا۔

۴: سابقہ ہر سہ الہامی کتب کے بارے میں ان کتابوں کے جو موجودہ حالت کے عقیدتمند ہیں سے دریافت کیا جائے کہ تمہاری یہ کتابیں کس زبان میں نازل ہوئیں تو بت کی طرح خاموش رہ جاتے ہیں۔ البتہ اناجیل کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "متی" کی انجیل عبرانی زبان میں اور دیگر تین اناجیل یونانی زبان میں لکھی گئیں جو چوتھی صدی عیسوی میں سرکاری زبان تھی لیکن آج انجیل ان زبانوں میں بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح توریت اور زبور بھی یروشلم جو ان ایام میں علم کا گہوارہ تھا، بارہا حملوں کی وجہ سے معدوم ہوگئی۔

حضرت عزیر نے غالباً پانچویں صدی قبل مسیح میں توراۃ کو اپنے حافظہ سے مدون کیا لیکن وہ نسخہ بھی بہت جلد ناپید ہوگیا۔ بعد میں جو نسخے مرتب ہوئے اور آج تک ترجمہ در ترجمہ عوام تک پہنچے ہم ان کو مکمل طور سے الہامی تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے برعکس قرآن پاک سے اگر سوال کیا جائے کہ تو کس زبان میں نازل ہوا تو قرآن حکیم خود جواب دیتا ہے کہ میں عربی زبان میں نازل ہوا۔

آج تقریباً چودہ سو سال ہو رہے ہیں کہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور اس وقت تک عربی زبان میں ہے۔ گو ترجمے عوام الناس کے سمجھنے کی خاطر مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں لیکن سبحان اللہ! اصلی زبان وہی ہے جس میں روح القدس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہادیٔ برحق سردارِ کونین آقائے مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ یہ اتنا لمبا عرصہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اسی زبان میں قائم رہنا ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر بعثت محمدی تک صرف چھ سو سال کا عرصہ گذرا تھا جس میں انجیل اپنی اصلی حالت سے تبدیل کر دی گئی۔

۵: قرآن پاک کا لفظ بہ لفظ قلوب المومنین میں محفوظ رہنا بھی ایک زندہ معجزہ ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے اس دور تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں لاکھوں کروڑوں حافظِ قرآن موجود چلے آئے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ ایک اتنی بڑی کتاب کا جو کہ ایک سمندر ہے ایک چھوٹے سے گوشت کے ٹکڑے میں محفوظ رہنا بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔ نعوذ باللہ! خواہ قرآن پاک کے نسخے تحریری صورت میں نہ بھی ملیں تو قلوب المومنین میں ضرور ملیں گے۔

ایک واقعہ یاد آگیا جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے

کہ انگریز قوم خود بھی اس بات کی قائل ہو گئی کہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے زندہ اور روشن ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب ملکہ وکٹوریہ تخت نشین ہوئی تو اس نے انگریز فلاسفروں کی ایک مجلس منعقد کی جس میں قرآن پاک کو مکمل طور پر دنیا کے چپے چپے سے نابود کرنے کی تحریک پیش کی گئی اس نے سب ارکینِ مجلس سے کہا کہ مسلمان قرآن پاک پر تن و جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن ذرہ بھر بھی توہین گوارا نہیں کرتے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قرآن کے ہر نسخے کو جہاں کہیں دنیا کے کسی کونہ میں ملے پکڑ کر جلا دیا جائے (نعوذ باللہ!) تاکہ ان کے پاس قرآن پاک کا کوئی نسخہ بھی تحریری صورت میں نہ رہے سب ارکین نے علیحدہ علیحدہ علاقوں سے نابود کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ ابھی مجلس برخاست نہیں ہوئی تھی کہ ایک رکن جو تقریباً بعد میں پہنچا تھا اس نے دریافت کیا کہ کیا طے پایا۔ ملکہ نے اسے پوری تجویز بتائی۔ اس نے جواب دیا کہ تحریری نسخوں کو تو تم مسخ کر دو گے لیکن جن کے دلوں پر نقش ہے وہ کیسے مسخ کرو گے، وہ دوبارہ لکھ لیں گے، سب نے دوبارہ غور کیا تو واقعی اس کو سچا جانا اور اس طرح وہ تحریک وہاں ہی ختم ہو گئی۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر اور روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس کتاب کے روشن اور زندہ معجزہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ظاہر ہو گئی کہ خواہ دشمنانِ اسلام کتنی ہی تدابیر اختیار کریں اس لاریب کتاب کو مسخ نہیں کر سکتے، انشاء اللہ!

تاریخ انگلستان کو بغور پڑھنے سے پوری تاریخ میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ انگریزوں کے پوپ اور دوسرے یہودیوں کے کسی سربراہ نے انجیل یا توریت کو مکمل لفظ بہ لفظ حفظ کیا ہو، ہم علی الاعلان کہہ سکتے ہیں کہ ان میں نہ کوئی توریت و انجیل کا حافظ ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ قرآن کا مکمل طور پر لفظ بہ لفظ حفظ ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ کتاب ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے۔

قارئین کرام! قرآن پاک کے زندہ اور روشن معجزہ ہونے پر اگر ضخیم سے ضخیم تر کتب بھی تحریر کی جائیں تو قرآن پاک کی یہ صفت مکمل نہیں ہو سکتی،

یہ عاجز تو اس قابل ہی نہیں کہ قرآن پاک کی توصیف میں ایک فقرہ بھی لکھنے کی طاقت رکھتا ہو کیونکہ قرآن پاک کی صفت یا تو بھیجنے والا جانتا ہے یا وہ جانتے ہیں جنہوں نے قرآن پاک کو سمجھا اور صدیق، خطاب، غنی، المرتضےٰ، الشہداء، اعظم اور غوث کے خطاب بارگاہ خداوند تعالیٰ اور رسالت مآب کے دربار سے حاصل کئے۔

والله اعلم
بالصواب

حضرت مولانا حافظ محمد انور علی صاحب روھتکی

اور کہا کہ آپ کی دعا کا اثر ہے۔ سرّی سقطی وہ تھیلی لیکر فوراً جیل میں پہنچے اور داروغہ جیل سے فرمایا کہ تحفہ کے مالک کو بلاؤ تاکہ تحفہ کی قیمت دیکر اس کو آزاد کرادوں داروغہ جیل نے کہا کہ حضرت یہ لونڈی تو بڑی بزرگ ہے رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے اس کو فوراً آزاد کردو چنانچہ میں خود ہی سوداگر کے پاس جانے کو تیار تھا کہ سوداگر کو خواب سنا کر اس کو آزاد کرادوں اسی وقت سوداگر خود ہی جیل میں آگیا، داروغہ جیل نے حضرت سرّی سقطی کے درہموں کی تھیلی دیتے ہوئے سوداگر سے کہا کہ حضرت سرّی سقطی یہ قیمت آپ کو تحفہ کی آزاد کرنے کو دیتے ہیں۔ سوداگر نے حضرت سرّی سقطی سے کہا حضرت یہ درہم کیا کروں میں نے رات کو ایک بزرگ خواب میں دیکھا ہے، فرماتے ہیں کہ تحفہ کو فوراً آزاد کردو، اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو حضرت میں تو اس کو خود ہی جیل سے آزاد کرانے کو آیا ہوں الغرض بی بی تحفہ کو آزاد کردیا۔ بی بی تحفہ نے آزاد ہوتے ہی فوراً جنگل کی راہ لی، اللہ کی یاد میں اشعارِ عشقیہ پڑھتی تھیں اور چلی جاتی تھیں، سوداگر کے دل پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑا اور داروغہ جیل اور حضرت سرّی سقطی بھی چل دیئے۔ فرماتے ہیں ہمیں کہیں بی بی تحفہ کا پتہ نہ چلا ہرچند ڈھونڈا پھر ہم نے پکا ارادہ کرلیا کہ چلو حج کا زمانہ ہے خانہ کعبہ جاکر حج ہی کرلیں، ہم تینوں خانہ کعبہ پہنچے اور طواف شروع کیا تو دیکھا کہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ایک عورت لپٹی ہوئی ہے اور روتی ہے اور اللہ کی یاد میں ہائے ہائے کرتی ہے۔ میں دوڑ کر اس کے پاس گیا دیکھا تو بی بی تحفہ ہیں! میں نے کہا کہ اے اللہ کی بندی کیا حال ہے! راستہ میں تم ہم کو کہیں نہیں ملی، انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور دم دے دیا! سوداگر نے ان کی تکفین تدفین کی اور وہاں ہی رہ گیا۔ یہ حال بی بی تحفہ کا سنا کر فرمایا بی بی تحفہ اللہ کی یاد میں ایسی غرق تھیں، دنیا کا

لذات اور خواہشات نفسانی فنا ہو گئی تھیں اور مقام فنا فی اللہ سے سرشار تھیں مگر ابھی فنا بعد الجمع کے مقام کو نہیں پہنچی تھیں کہ وصال ہو گیا اس لئے دنیا سے اتنی متنفر تھیں۔

فرمایا ایک بیوی کا حال اور سناؤں گا پھر کسی جلسہ میں۔ اس کے بعد یہ جلسہ اللہ والی بیویوں کا ختم ہوا۔ صبح میں اور اولیا ربانی حاضر خدمت فیض درجت ہوئے اور اپنا حال عرض کیا۔ نور نظر آنے کا حال سنکر فرمایا یہ وقت تھوڑا ہے نور کا حال تمہیں تمہارے جلسے میں بتائیں گے۔ اسی اثناء میں کچھ اہل محلہ کی بزرگ بیویاں تشریف لائیں حلقہ در توجہ میں بیٹھ گئیں، اپنا اپنا حال بیان کیا۔ سب کو یہی فرمایا کہ باہر مردانے میں اللہ کے طالب آ گئے ہیں تمہارے جلسہ میں مسائل بتائیں گے چنانچہ باہر مردانے میں تشریف لے گئے

آج ہماری انجمن خدام الصوفیہ کا پانچواں جلسہ ہے سب بھینیں اور بزرگ مستورات تشریف لائی ہیں جلسہ کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا فرمایا تم نے نوروں کی بابت پوچھا تھا اور میں نے جلسہ میں سنانے کا وعدہ کیا تھا، سنو اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اللّٰہ نور السمٰوات والارض، اللہ کا نور زمین آسمان سب جگہ ہے اس دنیا میں جو ظاہری نور ہیں وہ کئی قسم کے ہیں، جیسے آفتاب کا نور، گیس کا نور، بجلی کا نور، چراغ کا نور، اس ظاہری نور کے علاوہ اس آدمی کے اندر باطنی اور غیبی نور بھی ہیں جیسے روح کا نور، دل کا نور، ایمان کا نور، اللہ کے ذکر کا نور ہے۔ ظاہر والے ان نوروں کو جو چراغ آفتاب وغیرہ والے ہیں منہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جو کسی پیارے نورانی پیر سے مرید ہو کر اللہ کے ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو اور پیر کی توجہ سے باطن کی غفلت کا تالا جو اس کے دل پر لگا ہوا تھا کھل گیا ہو اس وقت وہ ان نور باطنی غیبی کو دیکھ سکتا ہے جو پیر صاحب کے بتائے ہوئے ذکر کے وقت اور توجہ کے وقت نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جو فرمایا ہے وہ اسی دل کی آنکھوں کی طرف اشارہ ہے کہ من کان فی هذه اعمٰی فهو فی الآخرة اعمٰی۔ قیامت میں وہ اندھا اٹھے گا جو دنیا میں اندھا ہے۔ یہ دل کی آنکھوں کے اندھوں کو کہا ہے، منہ کی آنکھوں والے کو نہیں کہا جس نے یہاں دنیا میں آکر اللہ کے ذکر سے پیر کے حلقہ اور توجہ سے اپنے دل کی آنکھ کو نہیں کھولا وہ دل کا اندھا ہے اور قیامت کو بھی اندھا ہو گا۔

فرمایا قلب کے لطیفے کے نور کا رنگ زرد ہے اور روح کا رنگ سنہرا۔ سر کے لطیفہ کا نور سفید ہے خفی کا سیاہ اور اخفیٰ کا سبز نور ہے جیسے کہ میں نے مقامات المحمود میں لکھا ہے۔ فرمایا حضرت خواجہ معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جیسے لطیفوں کے رنگ الگ الگ ہیں اسی طرح سیر بھی الگ الگ ہے اور ہر لطیفے کی فنا بقاء بھی الگ الگ ہے اور ہر لطیفے کی بدن کے عناصر سے بھی مناسبت ہے لطیفہ اخفیٰ کی مناسبت خاک سے ہے لطیفہ خفی کی آگ سے، لطیفہ سر کی ہوا سے، لطیفہ روح کی پانی سے۔ (باقی آئندہ)

ادارہ

جہاد حدیث کی روشنی میں

لغت میں جہاد کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں، دین میں اس محنت اور مشقت کو جہاد کہا جاتا ہے جو خالصۃً دین کے لئے ہو۔ دین کی خاطر کفار سے قتال کرنا بھی دین کی تقویت اور اس کی حفاظت کی بہت بڑی کوشش ہے اس واسطے اس کو بھی جہاد کہتے ہیں اگرچہ لغت کے لحاظ سے اس کے معنی میں بہت وسعت اور فراخی ہے مگر یہ لفظ اس لڑائی کے لئے جو دین کی خاطر کفار سے لڑی جاتی ہے زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاد کو مسلمانوں پر جب کہ طاقت ور ہوں اور اپنی حکومت ہو فرض کر دیا گیا ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے اصحاب نے جہاد کر کے اسلام کو اجاگر کر دیا۔ احادیث میں جہاد کے متعلق بڑی ترغیب دی گئی ہے۔ ذیل میں ہم چند حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے اس کی اہمیت اور ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔

۱۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ البتہ وہ صبح یا شام جو اللہ کے راستے میں ہو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

۲۔ جہاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ بندے کے لئے ایک سو درجہ بلند کرتا ہے جس کے ہر دو دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان۔

(۳) کوئی مسلمان مرنے کے بعد پسند نہیں کرتا کہ وہ دنیا کی طرف لوٹے اگرچہ اس کے لئے دنیا و مافیہا ہو، سوائے شہید کے (یعنی شہید مرنے کے بعد تمنا اور آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں آئے اور پھر شہید ہو)۔

(۴) جس کسی نے فی سبیل اللہ خرچ بھیجا اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ہے یہ تب ہے جب وہ گھر میں بیٹھا رہا اور اگر وہ جہاد میں بھی شریک ہوا تو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ہے۔

۵۔ پوچھا گیا ایک شخص نے فی سبیل اللہ جہاد اس لئے کیا کہ وہ دنیا کے سامان کو پائے، کیا اس کے لئے ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ (اس سے ثابت ہوا کہ جہاد میں نیت خالص دینی ہونی چاہیئے۔)

۶۔ جتنا ثواب مجاہد کو جہاد کے لئے جانے میں ہوتا ہے اتنا ثواب اس کو فارغ ہو کر گھر کی طرف آنے میں ہوتا ہے۔

۷۔ مجاہد قتل کا درد صرف اتنا محسوس کرتا ہے

جتنا تم میں سے کوئی چیونٹی کے کاٹنے کا درد محسوس کرتا ہے۔

۸۔ کسی بندے پر فی سبیل اللہ غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا یعنی مجاہد جہنم میں نہیں جائیگا

۹۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔ ایک قطرہ آنسوؤں کا جو اس کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے نکلا، ایک قطرہ خون کا جو اللہ کے راستے میں بہا دیا گیا۔

۱۰۔ تم مسلمانوں کے ساتھ اپنے مالوں اور نفسوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

ادب سیمابی

نعت

ہر دردمندِ دہر کی تم سے اپیل ہے — آقا یہی تمہارے کرم کی دلیل ہے
کیونکر سناؤں وقت نہایت قلیل ہے — افسانۂ فراقِ محمد طویل ہے
احسان ہے یہ ذاتِ مقدس کا آپکی — محفوظ جس سے قصرِ جہاں کی فصیل ہے
ہے آپ پر معاملۂ حشر یا رسول! — کب آپ کے سوا کوئی اپنا وکیل ہے
افکارِ زیست ہم کو پریشاں کرینگے کیا — اللہ کا حبیب ہمارا کفیل ہے
جس کو سفر ملا مرے آقا کے شہر کا — واللہ خوش نصیب وہ ابن السبیل ہے
گذرے وہاں سے سیدِ کونین جس جگہ — ناکامیابِ تابِ پرِ جبرائیل ہے
شامل ہو جس دعا میں وسیلہ حضور کا — مقبولِ بارگاہِ خدائے جلیل ہے
وحدت کی بات اہلِ حقیقت پہ کھل گئی — بے مثل ہے خدا تو نبی بے مثیل ہے
دونوں جہاں میں آپ کی عظمت ہے مدح خواں — دونوں جہاں میں آپکا ذکرِ جمیل ہے

آقا نگاہِ لطف و کرم ڈال دیجئے
مدت گذر گئی ہے ادب کو علیل ہے

انسان ایک مقام کو حاصل کر لینے کے بعد عموماً ناشکرا ہو جاتا ہے اور اپنے آقا و مولیٰ کے انعامات کو بحرِ نسیان کے سپرد کر دیتا ہے، جب کہ مالکِ حقیقی اپنے اس بندے کو پھر بھی حجابِ نظر انداز ی میں نہیں لے جاتا۔ پھر بھی اس کی رحمت کے چشمے اس کی طرف مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ وہی اس کی زیست کا سامان مہیا کرتا ہے، اس کی امتیازی خصوصیات کو محو نہیں کرتا مگر وہ بمصداق وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا اپنے عہدِ ازلی کو قعرِ نسیان میں ڈال چکا ہوتا ہے۔

سب کے سب ایسے نہیں ہوتے مخلوقِ الٰہی میں سے بعض وہ ستارے بھی ملتے ہیں جن کی ضوء پاشیوں سے عالم منور ہے، جو انکار کی بجائے تسلیم کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں؛ در خالقِ حقیقی کی فرمانبرداری سے سیر نہیں ہونے پاتے، تمام شب اس کی یاد کے باوجود بھی سر نیاز جھکاتے ہوئے یہی کہتے ہیں مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ، مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ فخر و غرور ان سے کوسوں دور بھاگتا ہے، لہٰذا وہ ریاکاری اور دکھلاوا سخت ممنوع سمجھتے ہیں اور نہ ہی ایسے قبیح امور سے ان کو دل لگی ہوتی ہے جو حیاتی طور پر بھی ان کو صراطِ مستقیم سے دور لے جائیں۔ باطل کی آندھیاں چلتی ہیں مگر وہ انہیں روکنے کیلئے سیمابی قوت کے مالک ہوتے ہیں، ان کے ہاتھ ہر باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے سدِ سکندری بنتے ہیں مگر ساتھ ساتھ تقدیر ان کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے عوام کو روزی دی جاتی ہے، بارشیں ہوتی ہیں جیسا کہ بِهِمْ تُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ سے واضح ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں [illegible] ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔

آج میرا سفر ایک ایسی ہی شخصیت کی طرف تھا جن کے علم و عرفان کا ڈنکا پورے عالمِ اسلام میں بج رہا ہے، جو علم و عمل کے اعتبار سے ایک فائق مقام حاصل کر چکے ہیں، جن کا ہر لمحۂ زیست ذکرِ الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔

یہ وہ شخصیت ہیں جن کو بچپن ہی میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مقدس تلووں کو مس کرنے کا شرف حاصل ہے جن کے عرشِ الٰہی بھی بوسے لئے، ایک موثوق قول کے مطابق آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "خَادِمُنَا" کے مبارک لفظ سے یاد فرمایا (تذکرۂ فقیہِ اعظم)۔

آپ کے والدین کریمین کو ابتدا میں ہی آپ کے متعلق بشارتیں دی جا چکی تھیں۔ والدِ محترم حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ ایک ایسا فرزند عطا فرمائے جو علمِ دین پڑھ کر پھر اس کا اشاعت کرے اور حدیثِ پاک پڑھائے تو تمام کا تمام ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیشِ خدمت کیا کریں گے، چنانچہ آج بفضلہ تعالیٰ وہ وقت آ چکا ہے کہ حضرت کے والدِ محترم کی یہ نیک مراد پوری ہو چکی ہے اور حضرت کے ہاں دورۂ حدیث پاک نہایت نفیس انداز سے پڑھایا جاتا ہے۔

آغازِ سفر آج مورخہ ۲۹ کو ہمارے مدرسہ جامعہ نعیمیہ میں سہ ماہی امتحانات تھے۔ دوپہر کے تقریباً ایک بجے تک ہم امتحان سے فارغ ہو گئے اور میں عنانِ التفات زائرِ مدینہ کی طرف کئے ہوئے تھا۔ اس سے غالباً دو دن پہلے محترم محمد منشا تابش نے ایک تحریر کے ذریعہ اطلاع دی کہ حضرت شیخ الطائفہ فقیہِ اعظم الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور ۲۹، ۳۰، ۳۱ میں سے کسی ایک تاریخ کو تشریف لا رہے ہیں۔

احیانِ اشتیاق زوروں پر تھیں، امتحان سے فارغ ہو کر درمیانی تاریخ کو مناسب خیال کرتے ہوئے رات کو ۱۱½ بجے والی ریل کار پر سوار ہو کر آغازِ سفر کیا جبکہ برادرِ محترم مولانا محمد عارف صاحب نوری گذشتہ رات کو اسی ریل کار پر روانہ ہو چکے تھے۔ میرے لئے یہ ایک بڑا مبارک سفر تھا اور میرے خیال میں ایسے سفر کے ہر ہر قدم پر انسان اجرِ عظیم کا مستحق ہوتا ہے

آج میرے دل کی دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو چکی تھی، ایک نیا انقلاب آ چکا تھا، میرے دل کی گہرائیاں حضرت کی یاد سے معمور تھیں۔

چند گھنٹے کے سفر کے بعد میں بصیرپور کے اسٹیشن پر اتر چکا تھا۔ فضائی تاریکی میں چلتے چلتے میں دارالعلوم کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ ابھی دروازہ کھلا نہیں تھا، رات کو دیر تک مطالعہ میں مشغول رہنے والے ابھی محوِ استراحت تھے۔ میں نے دروازہ پر دستک دی تو اندر سے حضرت کے خادمِ خصوصی مولانا منظور احمد صاحب شاغر نے دروازہ کھولا، کچھ حضرات بیدار ہو گئے، میں اندر داخل ہوتے ہوئے حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ انور پہ حاضر ہوا۔ ابھی دعا مانگ کر واپس ہو رہا تھا کہ برادرم

مولانا ناالبخش صاحب بھی روشنی ساتھ لیتے ہوئے تشریف لے آئے۔ کچھ دیر کے بعد احباب نماز تہجد کے کیلئے بیدار ہو چکے تھے۔ میں کچھ دیر کیلئے ایک بستر پر لیٹ گیا۔ خیال تھا کہ احباب سے صبح کو ہی ملاقات ہو گی۔ چونکہ احباب کو اپنے اس خادم کا پتہ چلتا گیا وہ فوراً تشریف لے آئے۔

غالباً پون گھنٹہ بعد اذانِ فجر ہوئی۔ میں نے نماز فجر حضرت علامہ ابو العفو ابو محمد باقر صاحب قبلہ کی اقتدار میں ادا کی۔

نماز ادا کرنے کے بعد اساتذہ کرام سے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اور اس کے بعد حضرت فقیہ اعظم قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی تشریف آوری کے لئے حضرات اساتذہ کرام۔ اور چند طلبا ئے کرام اڈا پر پہنچ گئے۔ یہاں پر دوسرے احباب بھی کافی تعداد میں جمع تھے۔ آج ایک ایسے ستہ شخصیت کی آمد کی انتظار ہو رہی تھی جس نے چند سالوں میں دینِ مصطفوی کا پرچار کر دیا ہے۔

کچھ دیر کے بعد مزین بس اڈہ پر پہنچ گئی اور بار بار گولہ کی آواز آئی اور ساتھ دوستوں کی زبانوں پر کلماتِ طیبات جاری ہو گئے۔

اب کیا تھا، "فقیہ اعظم" "زندہ باد" "محدث پاکستان" کے نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔ ہر شخص حضرت کو ایک نظر دیکھنے کیلئے بیتاب تھا۔ عقیدت مندوں نے لاری کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ڈرائیور تھوڑی دیر کے لئے لاری روکنے پر مجبور ہو گیا۔ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند ہوتے رہے اور بس آہستہ آہستہ چلتی گئی۔ اڈا سے کافی دور جا کر لاری رکی اور حضرت مع رفقا نیچے اتر آئے، چہرۂ انور تاباں تھا۔ آپ مسکراتے ہوئے ہجوم کی دو قطاروں میں گذرتے گئے اور دار العلوم تک تشریف لے گئے۔

سب سے پہلے آپ مسجد پاک میں نوافل ادا فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ نوافل کی ادائیگی کے بعد آپ دار العلوم کے دروازے ہی داخل ہوئے اور سیدھے حضرت باباجی علیہ الرحمۃ کے مزارِ پر انوار پر فاتحہ خوانی کیلئے پہنچ گئے۔ پھر آپ دار العلوم کے صحن میں ڈالی ہوئی چارپائیوں پر تشریف فرما ہوئے اور پھر مصافحوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس وقت آپ سفرِ مقدس کے حالات بیان فرما رہے اور لوگ پوری توجہ سے سن رہے تھے۔ آپ نے بھی زبان مسرت کے ساتھ سفرِ مقدس کے حالات بیان فرمائے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے سفرِ مقدس کے دوران دیارِ مقدسہ میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ بڑا آرام رہا ہے۔ آپ نے اس دفعہ مدینہ منورہ میں تقریباً ۲۲ دن تک حاضری کا ذکر بھی فرمایا جبکہ اس سے پہلے اتنا وقت کبھی نہیں ملا۔ حضرت کو (۳) دفعہ مدینہ منورہ میں تعلیم دینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

حضرت اس دفعہ چوتھی مرتبہ حج کی سعادت

ملفوظاتِ امیرِ ملت

امام السالکین قدوۃ العارفین قیوم زماں قطب دوراں کے اقوال و ملفوظات اور مواعظ و پند و نصائح کا مجموعہ جس کا نام "ملفوظات امیرِ ملت" ہے اب چوتھی مرتبہ زمانہ حال کے جا لیاتی تقاضوں سے معمور و منور اور بھرپور مکتبہ انوار الصوفیہ قصور کے زیرِ اہتمام زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر جلوہ نما ہو گیا ہے۔ اس مرتبہ بعض مقامات پر مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ آخر میں حضرت جوہر الملت دامت برکاتہم کا رسالہ "والدین پر حقیقی رب کے اطلاق کے جواز پر" بطور ضمیمہ کے لاحق کیا گیا ہے۔ اور اولیاء اللہ کے ملفوظات کی اہمیت پر اس احقر کا ایک مفید مضمون اور شاعر طریقت جناب مولانا قمر یزدانی کی ملفوظات کے متعلق دو نظمیں جو نہایت بصیرت افروز ہیں لاحق کر دی گئی ہیں۔ کتابت عمدہ اور نفیس ہے۔ اس کو ہم نے دو قسم کے کاغذ پر چھپوایا ہے اعلیٰ قسم کے کاغذ کی قیمت تین روپے اور ادنیٰ کاغذ کی قیمت اڑھائی روپیہ ہے۔ مندرجہ ذیل پتہ سے منگوائیں۔

پتہ: مکتبہ انوار الصوفیہ قصور کوٹ عثمان خاں (مغربی پاکستان)

پنج گنج کا دوسرا ایڈیشن

ناظرین کرام! پنج گنج کا دوسرا ایڈیشن طبع ہو گیا ہے۔ اس دفعہ حضرت قبلۂ عالم امیرِ ملت سرکار علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر مگر مکمل حالات و ارشادات کے علاوہ حضور کے پیر روشن ضمیر حضرت بابا فقیر محمد صاحب چوراہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضور کے خلفاء حضرت مولانا محمد حسین صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ و حضرت قاضی حفیظ الدین صاحب روہتکی و حضرت مولانا عبدالمجید خاں صاحب جھجروی رحمۃ اللہ علیہم کے مکمل و مفصل حالات لکھے گئے ہیں۔ نیز پیرانِ عظام کے مجرب عملیات و نسخہ جات کا اضافہ کر کے ایک مخلوق کو استفادہ کا موقعہ دیا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ

۱۔ نیاز مند محمد ادریس خاں غوری از لیہ ضلع مظفر گڑھ۔

۲۔ حضرت معین الملت پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب علی پور شریف ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ۔

از رئیس المحققین حضرت مولانا حافظ غلام رسول صاحب مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں

قسط اول

سماعِ موتیٰ

یہاں پر دو چیزوں کا تذکرہ مقصود ہے،
ایک یہ کہ اہلِ سنت و جماعت کا سماعِ موتیٰ (عوام اموات یعنی مردوں کے سننے اور خصوصاً اولیاء کرام جو اس عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف تشریف لے گئے ہیں) کے متعلق کیا موقف ہے، اور اس مسئلہ پر جو شبہات غلط فہمی کی وجہ سے وارد ہیں ان کا ازالہ کیسے ہو!۔

اہلِ سنت کا موقف اور بنائے استدلال مفسرین و محدثین کے

اقوال کی روشنی میں سماعِ موتیٰ کی حقانیت ثابت ہے حدیثِ پاک مشکوٰۃ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو یوں کہو:

السلام علیکم یا اہل القبور السلام علیکم اہل دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون انتم لنا فرط ونحن لکم تبع (رواہ مسلم والترمذی حصن حصین ص۲۴۴)

وجہِ استدلال ظاہر ہے کہ اگر اہلِ قبور ہماری آوازیں نہیں سنتے تو کیا ہم مٹی کے ڈھیر سے سلام کرنے کا حکم دئیے گئے ہیں؟ جو نہ عبث اور بالکل غیر معقول فعل ہے جس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرتا۔
اہلِ قبور اور اموات (مردے) ضرور ہماری آواز اور سلام سنتے ہیں بلکہ ہمارے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں چنانچہ شیخ الاسلام والمفسرین امام سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور و سمع کلامه وانس به ورد علیه (شرح الصدور ص۱۵۱)

(ترجمہ) احادیث اور اقوالِ صحابہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زائر جب صاحبِ قبر کے پاس آتا ہے تو صاحبِ قبر کو اس کی آمد کا علم ہو جاتا ہے اور اس کی کلام سنتا ہے اور اس کے ساتھ انس پکڑتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص۴۳ میں ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان العبد اذا وضع فی قبرہٖ وتولّٰی
عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کو قبر میں جب رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ میت کو جب دفن کیا جاتا ہے اور منکر نکیر اس سے سوال جواب کر لیتے ہیں تو اگر میت مومن ہو تو اس کو کہا جاتا ہے "نَمْ" یعنی سو جا۔ وہ کہتا ہے کہ ارجع الٰی اھلی فاخبرھم، میں اپنے گھر کی طرف واپس لوٹتا ہوں اپنے گھر والوں کو خبر دیتا ہوں کہ میری حالت بہتر ہے مگر اس کو اجازت نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ میت مومن کو اپنے گھر والوں اور دوستوں کا علم ہوتا ہے
(مشکوٰۃ شریف ص۲۵)

مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ ص۱۵۴ میں ہے کہ جمعہ کے دن قبور کی زیارت افضل ہے خصوصاً شروع دن میں۔

ایک روایت میں ہے کہ یوم جمعہ میں میت کا ادراک اور علم زیادہ ہوتا ہے۔ جب میت کو ادراک اور علم ہوتا ہے تو جو شخص اولیاء کرام کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہو تو کیا اس کی حاضری کا ان کو علم نہیں ہو گا؟ اگر کوئی وہاں دعا مانگے تو اللہ ان کے وسیلہ سے اس کی دعا کو قبول کرتا ہے جیسا کہ امام المسلمین حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قبر موسٰی الکاظم تریاق
مجرب لاجابۃ الدعاء

یعنی قبر حضرت امام موسٰی کاظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اجابتِ دعا کے لئے مجرب اور تریاق ہے

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

من یُستمدُّ فی حیاتہٖ
یُستمدُّ بعد مماتہٖ

جس شخص سے اس کی زندگی میں امداد طلب کی جاتی ہے اس کی موت کے بعد بھی اس سے امداد طلب کی جاتی ہے۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴)

مقصود حضرتِ امام غزالی کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کے علم اور تصرف میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جیسا کہ اس کو عالمِ دنیا میں اللہ تعالٰی نے تصرف کی قدرت عطا فرمائی تھی اسی طرح اب بھی اس کو امداد اور تصرف کرنے کی اللہ تعالٰی نے قدرت اور طاقت دے رکھی ہے۔

عمدۃ المفسرین حضرت العلام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قول فالمدبّرات امراً کے ماتحت فرماتے ہیں:

کالملٰئکۃ وارواح الصلحاء

امر کی تدبیر کرنے والے ملائکہ اور ارواحِ صلحاء

اولیاء ہیں۔ تدبیر عین تصرف ہے۔ بدر کا قصہ صحاح میں موجود ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ حضور یہ کفار (جو جنگِ بدر میں مقتول ہوئے) آپ کی کلام کو سنتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

ما انت باسمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون یعنی تم میری بات کو ان اموات سے زیادہ نہیں سن رہے یعنی یہ بھی تمہاری طرح سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دیتے۔

تفسیر صاوی صہ ۲۹ ہماری اس تحقیق سے عوام اموات اور خصوصاً اولیائے کرام کا سماع روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔

شبہات اور انکا ازالہ

اگر اعتراض کیا جائے کہ قرآن پاک میں آتا ہے:

وما انت بمسمع من فی القبور

جب صریح نص میں سماع کی نفی آچکی ہے تو پھر سماعِ موتیٰ کے ثبوت کا کیا مطلب؟ تو جواب یہ ہے کہ صاحبِ مدارک اپنی تفسیر صفحہ ۱۵۱ میں فرماتے ہیں:

شبہ الکفار بالموتیٰ حیث لاینتفعون بمسموعھم،

یعنی اس آیت کریمہ میں کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، وجہ شبہ عدمِ انتفاع ہے۔ جیسا کہ مردے سنتے ہیں لیکن ان کو یہ سماع نافع نہیں ہے اسی طرح کفار سنتے ہیں لیکن منتفع نہیں ہوتے پیش نظر رہے۔ وجہ شبہ عدم انتفاع اور عدم تاثر ہے نہ کہ عدم سماع۔ اب یہ اعتراض نہ ہو گا کہ وجہ شبہ عدم سماع مردوں میں اتم ہونا چاہیے۔

دیکھئے علامہ شیخ سلیمانی صاحب تفسیر جمل صہ ۵۹۰ میں فرماتے ہیں:

شبھھم بالموتیٰ ای فی عدم التأثر بدعوتہ، یعنی کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ اس میں دی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ بلیغ سے متاثر نہیں ہوتے۔ حضرت العلامہ قاضی بیضاوی نے بھی کہا کہ یہاں کفار کو اموات سے تشبیہ دی گئی ہے (تفسیر بیضاوی صہ ۲۰۲)

ان مفسرین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ

وما انت بمسمع من فی القبور

میں نفی سماع سے مراد کفار ہیں نہ کہ سماعِ موتیٰ کی نفی ہے جیسا کہ معترضین نے سمجھا۔

اعتراض ہوتا ہے کہ امام بخاری نے باب المغازی میں ذکر کیا ہے کہ جب ابن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کلام اس مسئلہ پر ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہ نے سماعِ موتیٰ کی نفی میں یہ آیت کریمہ پڑھی وما انت بمسمع من فی القبور،

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں نفی سماعِ موتیٰ ہی مراد ہے،

علماء اہلِ سنت نے اس سوال کے متعدد جواب دئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں ان المیت یسمع قرع نعالہم (لفظِ "سماع" ہے، قرآن پاک میں "اسماع" ہے۔ "اسماع" کا معنیٰ ابلاغ الصوت من المسمع فی اذن السامع فان اللّٰہ تعالیٰ ھو الذی ابلغہم بان اسمعہم صوت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بذالک (انتہیٰ) سنانے والے کی آواز کو سامع تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو بھی مردوں تک اللہ تعالیٰ ہی پہنچاتا ہے۔ یہی معنیٰ وما انت بمسمع من فی القبور کا ہے یعنی آواز کا پہنچانا (اے میرے محبوب) میرا کام ہے یہ کسی کا کام نہیں نہ کہ وہ سن ہی نہیں سکتے۔ اس کی نفی نہ ہوئی ہم نے سماعِ موتیٰ کو ثابت کرنا ہے نہ کہ اسماعِ موتیٰ کو۔

آیت کریمہ میں نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی، جو ہمارا مقصود ہے اس کی نفی نہیں ہوئی اور جس کی نفی ہوئی ہے وہ ہمارا مقصود نہیں۔ (باقی باقی)

مہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا گیا ہے کہ ان مردوں کو آپ نہیں سناتے یعنی ہم سناتے ہیں۔ اس آیت کا مردوں کے نہ سننے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ (گوہر)

محمد عبدالواحد خاں نواب واحد رشیدی بی۔اے

عرضداشت

در مدح

شمس الملّت نورِ جماعت مولانا الحافظ الحاج پیر سید نور حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی

اے مکرّم ! سیدِ نورِ حسین
دستگیرم ! سیدِ نورِ حسین

خاک را اے عزتِ افلاک دہ
خاکسارم ! سیدِ نورِ حسین

اے کہ از دنیا و دل ہستی غنی
کن غنی ام ! سیدِ نورِ حسین

از ورثِ لِلّٰہ چیزے بخش و بخش
من گدایم ! سیدِ نورِ حسین

صورتِ خوبی پذیرد کارِ من
کن دعایم ! سیدِ نورِ حسین

شعلۂ عشق بزن بر واحدت
سوز ہجانم ! سیدِ نورِ حسین

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسانی زندگی کا چراغ انسانی زندگی کے چراغ سے روشن ہوا ہے!

انسانی زندگی کی تکمیل کیلئے محض معلومات کافی نہیں ہیں خواہ کوئی کتنا بڑا عالم ہو اور کتنا ہی بڑا محقق ہو بغیر کسی کامل یا کامل تر انسان کی صحبت کے اسکی زندگی کی ہرگز ہرگز تکمیل نہیں ہو سکتی

اما بعد: عزیز طلبا! مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں، اگر کوئی قیمتی سے قیمتی بات اور مخلصانہ سے مخلصانہ مشورہ ہو سکتا ہے تو اس کے مستحق آپ ہیں۔ آپ کا یہاں آنا خواہ آپ کی رضا اور آپ کے شعور سے نہ ہو لیکن آپکا یہاں طویل قیام ہماری طرف انتساب اور ہمارے دار العلوم کی طرف انتساب یہ مسلم امور اس بات کے لئے کافی ہیں کہ ہم اپنے سینے میں اس عمر میں جو بہتر سے بہتر چیز رکھتے ہوں وہ پیش کریں۔ ہمارے اوپر شرعاً و اخلاقاً یہ ذمہ داری ہے اور ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کے سامنے بہتر سے بہتر مشورہ پیش کریں کئی سال سے اس کے مواقع آتے رہے اور آپ سے کچھ کہنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ میں دو تین باتوں پہ زور دیتا رہا ہوں۔ میں آج آپ سے صرف ایک بات کہونگا، بقیہ چیزوں کو قصداً بیان نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب باتیں بے کار ہیں، نہیں!

وہ سب انتہائی مفید اور کارآمد ہیں لیکن یہ وقت اس کے لئے کافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے قوانین ہیں جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلے آرہے ہیں اور ہم ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہزاروں برس سے اٹھاتے رہے ہیں زمین سے فائدہ اٹھانے کا اور زراعت کا ایک قانون ہے اس سے انسان خواہ دینی معاملے میں نبی کے درجے کا ہو یا دنیوی امور میں بڑے سے بڑا مدبر اور بڑے سے بڑا صاحب شمشیر بادشاہ ہو کوئی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ وہ "قانون ہے کہ پہلے زمین کو جوتے پھر اس میں بیج ڈالئے، محنت کیجئے، آسمان سے بارش ہو پھر کھیتی آگے بڑھے، تب جاکر کاٹنے کی نوبت آئے گی۔

درختوں کے نشو و نما اور پھلنے پھولنے کا ایک قانون ہے۔ مثلاً ایک کھجور ہی کو لیجئے جب تک ایک کو کاٹ کر دوسرے میں نہ لگائے جس کو عربی میں "تلقیح"

تکبیر النحل کہتے ہیں پیداوار ٹھیک طور پر نہیں ہوگی چنانچہ دنیا کی اعلیٰ ترین ہستی جس کا اللہ کے نزدیک سب سے اونچا درجہ ہے جس کے لئے کائنات کا دھارا بدل دیا گیا اس نے بھی دیکھا تو کہا ایسا کیوں کرتے ہو لوگوں نے اس تدبیر کو چھوڑ دیا تو پھل خراب آئے ، چنانچہ کائنات کی اس سب سے اشرف زبان نے بھی کہا کہ

انتم اعلم بامور دنیاکم

اسی طرح دنیا کے ذرے ذرے کا قانون ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے لیکن میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ قانون یہ ہے کہ انسانی زندگی کی تکمیل انسانی زندگی سے ہوتی ہے . فلکیات ، طبعیات ، عمرانیات اور طبقات الارض غرضیکہ دنیا کے تمام علوم وفنون کے کچھ اصول اور قوانین ہیں ، سب نے ان کا احترام کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا ۔ اسی طرح اللہ کا قانون ہے کہ انسانی زندگی کا چراغ انسانی زندگی کے چراغ سے روشن ہوا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا ، نہ اس کے خلاف ہوا ہے اور نہ ہوگا . انسان ہی انسان کے لئے سب سے بہترین نمونہ ہے جس سے وہ اپنے ہر ہر عمل کو دیکھ سکتا ہے ۔ وہ اپنے ہر ہر نقش کو جانچ سکتا ہے اور پھر اس کو پورا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے ۔

دنیا میں رسول اور نبی سے بڑھ کر نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا لیکن جب سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا بار پڑا گیا تو اللہ تعالےٰ نے حضرت جبریل امین کا واسطہ بنایا ۔ آپ کے اندر رشد وہدایت کا شعلہ موجود تھا جو ہر وقت بھڑکنے کو تیار رہتا ۔ آپ کے اندر اس کی تمام صلاحیت اور استعداد تھی اور کسی استاد کی ضرورت نہ تھی لیکن اپنے اسی قانون کے مطابق اللہ تعالےٰ نے جبریل امین کو بھیجا ۔ وہ آئے ، آپ سے پڑھنے کو کہا ، آپ نے عذر کیا اس کی بنا پر انہوں نے سینے سے لگایا پھر کہا پڑھو پھر آپ نے معذرت کی پھر سینے سے لگایا پھر کہا پڑھو پھر آپ نے معذرت کی پھر سینے سے لگایا پھر کہا پڑھو تو آپ نے پڑھنا شروع کیا ۔

دنیا کے تمام ماہرین نے اس کو سمجھ لیا ہے کہ انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے محض معلومات کافی نہیں ہیں ۔ معلومات اور ایجادات واکتشافات کی جو فراوانی اس وقت ہے وہ تاریخ کے کسی دور میں نظر نہیں آتی لیکن تاریخ یہ بھی بتا رہی ہے کہ اخلاقی پستی بھی سب سے زیادہ ہے ۔ اگرچہ یہ علوم وفنون کے لحاظ سے دنیا میں یورپ سب سے بڑھا ہوا ہے تو اخلاقی لحاظ سے دنیا کا سب سے تاریک ترین خطہ بھی رہا ہے

انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے کچھ قاعدے چاہئیں اور کچھ تعلقات ایسے ہونے چاہئیں اور پھر ان اصول وقوانین اور تعلقات پر عمل کرنے کے لئے قوی محرکات کی ضرورت ہے ۔ فطری رجحانات اور جذبات کی ضرورت ہے ۔ محبت اور جذبۂ ایثار کی ضرورت ہے ۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہیے

کچھ ہونے اور حاصل کرنے پر آمادگی کا اظہار ہونا چاہئیے قربانی کا جذبہ ہونا چاہئیے، ایک دوسرے سے تعاون ہونا چاہئیے، اپنے اندر تواضع اور بے نفسی چاہئیے۔ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئیے اپنے مقصد میں فنائیت اور سرفروشی کا جذبہ ہونا چاہئیے۔ یہ سب چیزیں آپکو صرف کتابوں سے نہیں مل سکتیں۔ اگر صرف کتابوں اور علمی تحقیقوں سے حاصل ہو جاتیں تو آج یورپ کے مستشرقین دنیا کے سب سے بڑے محدث اور مفسّر نظر آتے۔ آج غزالی اور ابن تیمیہ نہ ہوتے بلکہ نیٹشے اور رینان ہوتے۔ یہ سب چیزیں اگر مل سکتی ہیں تو صرف ایک جگہ سے اور وہ ہے انسان کا سینہ۔ اسی سے یہ تمام چیزیں اخذ کی جا سکتی ہیں اور اسی سے انسان انسان بن سکتا ہے۔

آپ تاریخ کے کسی دور کا مطالعہ کر لیجئے کسی ادارے یا قوم کی تاریخ کو دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ آج جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ سب انسان ہی کی کاریگری ہے۔ دنیا میں جتنے انقلابات آئے، جتنی تحریکیں اٹھیں یہ سب انسان ہی کے ذریعہ سے ہوا۔ یہ جذبات و کیفیات صرف انسان سے انسان کی طرف منتقل ہو سکتی ہیں خدا کے حبیبوں کو دیکھ لیجئے، اللہ کے عارف بندوں کی سوانح پڑھ لیجئے اور پھر تاریخی شہادتوں کا مطالعہ کر لیجئے آپ دیکھئے گا کہ جب بھی انسان بنتا ہے وہ ہمیشہ انسان ہی سے بنتا ہے جب تک اس پر بلبر انسانی جذبات و کیفیات کا افاضہ نہ ہوگا، یہ سب کچھ نہ ہوگا۔

انسان کے اندر کانوں کے پتھر کی طرح ہزاروں سال سے بہت سے جواہرات پوشیدہ ہیں۔ ہزاروں چٹانوں کے نیچے کچھ پتھر مدفون ہیں لیکن وہ انسان کے کام کے نہ ہو سکے، اس کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ ان پر سورج کی کرنیں پڑنی چاہئیں۔ جب تک یہ کرنیں ان کو جگمگا نہ دیں، ان کی کوئی قیمت نہیں تاریخ میں آپ دیکھئے گا کہ اگر علم و ادب، فلسفہ و فکر کے ذریعہ کوئی انسان بن سکتا تو آج دنیا کے یہ بڑے بڑے مفکرین، فلاسفر اور متکلمین الحاد کی وادیوں میں نہ بھٹکتے اور وہ دنیا کے عظیم ترین انسان ہوتے۔

آپ ملا نظام الدین کو دیکھ لیجئے، آج ان کا درس نظامیہ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلا ہوا ہے، ان پر جب ملا عبد الرزاق بانسوی کی کرنیں پڑیں تو وہی نظام الدین ملا نظام الدین بن گئے اور آج دنیا میں ان کی شہرت جاودانی ہو گئی۔ شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد الحی سے بڑا کون عالم تھا ان کے اندر علم و تحقیق کے خزانے پوشیدہ تھے لیکن انہیں بھی ضرورت محسوس ہوئی کسی اہل اللہ کا دامن تھاما جو علم و ادب میں ان کے ہم پلہ نہ تھے اور پھر انہی کی صحبت سے وہ بن گئے۔

انسان، انسان کی صحبت سے بنا ہے اور اسی سے بنے گا۔ یہی ایک آئینہ ہے جو اللہ تعالے نے بنا دیا ہے۔ دنیا کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا

سکتا ہے۔ انسان کی ہم نشینی سے اخلاقِ رذیلہ کا زوال ہوتا ہے اور ایک عزم پیدا ہوتا ہے۔ آپ سے نماز میں سستی پیدا ہوتی ہے لیکن آپ ایسے شخص کے ساتھ رہیں جو کڑاکے کی سردی میں تہجد کے نفل نہیں چھوڑتا۔ وہ برابر اسی سردی میں وضو کرتا ہے، نمازِ عشاء و فجر باجماعت ادا کرتا ہے اس کے علاوہ نفلوں اور سنن میں ہر وقت مشغول رہتا ہے تو آپ سے کیسے ہو گا کہ آپ دوپہر کے وقت ظہر کی نماز بھی نہ پڑھ سکیں۔

دنیا کے تمام ریاضی دانوں کا اتفاق ہے اور ریاضی کی بنیاد اسی پر ہے کہ دس پانچ سے زیادہ ہوتا ہے اور بیس دس سے زیادہ ہوتا ہے لیکن ایسی بیشمار مثالیں ہیں جو اس سے ماورا ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کس چیز کا نام ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں۔ اگر آپ ان کی نمازوں پر غور کریں تو آپ کہہ اٹھیں گے کہ خدا کی قسم اگر ہماری نماز، نماز ہے تو ان کی نماز، نماز نہیں بلکہ کچھ اور ہے اور اگر ان کی نماز، نماز ہے تو خدا کی قسم ہماری نماز، نماز نہیں ہو سکتی۔ ان کے ہاں دشمن کے ساتھ محبت ہے۔ وہ قاتل کو سینے سے لگاتے ہیں۔ جو ان کے پاس قتل کے ارادے سے آئے وہ اس کو دوست بنا لیتے ہیں۔ جو ان کی عیب جوئی کرے اس کو اپنا محسن مانتے ہیں اور اپنی برائیوں پر غور کرتے ہیں۔ جو ان سے دشمنی کرتا ہے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ جو شخص ان کے پاس سے گذر جائے خواہ وہ سینے میں ان کی عداوت لئے ہو، خواہ ان کی برائی کرتا پھر رہا ہو، خواہ وہ ان کے قتل کے ارادے سے آیا ہو وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور اس کا گذرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا، اسے کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ چاہے کوئی کتنا ہی بڑا عالم ہو اور کتنا ہی بڑا محقق ہو لیکن کسی کامل یا کامل تر انسان کی صحبت کے اس کی زندگی کی ہرگز ہرگز تکمیل نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ غلط فہمی زیادہ دن نہیں رہتی ہے۔ اسلام کے تیرہ سو برس سے یہ قانونِ خداوندی چلا آرہا ہے اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔

امام غزالی جیسا آدمی جن کی تعلیم و تحقیق کے سامنے آج بھی یورپ کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ آج بھی یورپ ان کا لوہا مانتا ہے۔ ان کی کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں لیکن ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ اپنے شیخ کی خدمت میں جن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا ہے شیخ ابو علی فارمذی جن کا نام آپ میں سے اکثر نہیں جانتے ہوں گے لیکن ان کی صحبت سے امام غزالی کو کیا ملا؟

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اتنے بڑے فلسفی، اتنے بڑے متکلم اور محقق کو ایک گمنام شیخ کی خدمت میں جانے کی کیا ضرورت تھی لیکن اسی شیخ کا اثر تھا کہ جب وہاں سے نکلے تو علم و فضل کا آفتاب در معرفت کا بحرِ بیکراں بن کر نکلے۔

یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم)

قیصر یزدانی پنوانہ ضلع سیالکوٹ

تمہاری دید کا دل میں ارماں یارسول اللہ! ؛ تمہیں پر ہوں دل و جاں سے میں قرباں یارسول اللہ!
تو جس کے حامی و غمخوار، تم اے رحمتِ عالم ؛ مصائب سے وہ پھر کیوں ہو پریشاں یارسول اللہ!
تمہارے دم سے عالم کی فضائیں کیف ساماں ہیں ؛ تمہیں تو ہو بہارِ باغِ ایماں یارسول اللہ!
حقیقت کیا ہے اس در پہ شہنشاہانِ عالم کی ؛ تمہارے در کے ہیں قدسی بھی درباں یارسول اللہ!

ہمارا دفترِ آثم غریقِ بحرِ عصیاں ہے
تمہیں تو اس کی بخشش کا ہو ساماں یارسول اللہ!

تمہیں تو مخزنِ جود و کرم ہو، یارسول اللہ! ؛ تمہیں تو وارثِ خیر الامم ہو، یارسول اللہ!
ستا سکتا نہیں اس دل کو پھر کوئی زمانے میں ؛ کہ جس پر آپ کا لطفِ کرم ہو، یارسول اللہ!
بھلا دیا ہے درس کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃٌ جس نے ؛ وہ امت کیوں نہ پامالِ ستم ہو یارسول اللہ!
وہ دل تنویرِ ایماں کی جھلک جس میں نہیں باقی ؛ نہ کیوں وہ موردِ صد رنج و غم ہو یارسول اللہ!

تمہاری امتِ مرحوم کی حالت ہے ناگفتہ
بیاں کیسے یہ رودادِ الم ہو یارسول اللہ!

شہنشاہِ مکان و لامکاں ہو یارسول اللہ! ؛ طبیبِ خالقِ ہر دو جہاں ہو یارسول اللہ!
تمہاری دید کا مشتاق ہے خود خالقِ اکبر ؛ تمہیں محبوبِ ربِّ انس و جاں ہو یارسول اللہ!
سفینہ میری ہستی کا گھرا طوفانِ عصیاں میں ؛ ہمارا دو شفیعِ عاصیاں ہو یارسول اللہ!
عنایت کی نگہ ہم بیکسوں کے حال پر بھی ہو ؛ تمہیں تو حامیِ درماندگاں ہو یارسول اللہ!

قیصر مہجور دردِ ہجر سے بیتاب رہتا ہے
اب اس کا ختم دورِ امتحاں ہو یارسول اللہ!

محترمہ فریدہ خاتون فاروقی

اطاعت رسول!

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؕ (قرآن کریم پ ۵ ، سورہ النساء رکوع ۷)

جو تابع ہے محمد کا وہی بندہ خدا کا ہے!
کریں سب پیروی اسکی یہی منشا خدا کا ہے

عالم فانی کے اس دور کے ہم تمام مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اور ہمارا اس پر یقین ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ دل وجان سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزہ و مقدس ہستی کو بعد از خدا سب سے زیادہ موجب ادب اور الفت قرار دیتے ہیں۔ حقیقت میں مسلمانوں کا یہی شیوہ ہے کہ آنحضرت (فداہ ابی و امی) کی ذات اطہر کو انتہائی عزت و تکریم کے ساتھ دل میں جگہ دیوے۔ خود آنحضرت کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کہلانے کا حق نہیں رکھ سکتا جب تک کہ میری ذات کو اپنے نزدیک سب سے اعلیٰ و افضل نہ سمجھے اور سب سے بڑھ کر مجھے درجہ محبوبیت حاصل نہ کرے۔ یہاں تک کہ مجھے اپنے ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میری الفت و محبت دل میں رکھے اور عمل اور قدم سے میری محبت کا اظہار کرے۔ بقول حفیظ ؎

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے!
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال وجاں، اولاد سے پیارا

آنحضرت سے محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان زبان سے تو یہ کہتا رہے کہ میں آنحضرت سے محبت رکھتا ہوں اور کرتا ہوں لیکن عمل و کردار کا معاملہ بالکل مختلف قسم کا اور لگا رنگی نوعیت کا ہو۔ رسول اللہ سے صحیح اور سچی محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ جس چیز کو پسند کرتے تھے اسے پسند کیا جائے جس چیز کو برا سمجھتے تھے اسے برا سمجھا جائے۔ آپ غریب کے ساتھ محبت کرتے تھے، بے بس و مجبور کی مدد کرتے تھے مظلوم اور ستم رسیدہ انسان کی بلا امتیاز مذہب و ملت اعانت فرماتے تھے، بھوکے کو روٹی دیتے تھے، یتیم پروری کیا کرتے تھے، بیمار کی مزاج پرسی کرتے جاتے تھے، اس کے لئے صحت کی دعا فرماتے تھے اور اس کی امداد فرماتے تھے، ہر کار کو کام

دلاتے تھے، نادار کی ضرورت کے مطابق مالی اعانت
فرماتے تھے، مسافر اور ناواقف کو راستہ بتاتے تھے
معذوروں کے کام کو خود انجام دیتے تھے، مقروض کا
قرض ادا فرماتے تھے، ملازم و غلام سے اس کی طاقت
سے زیادہ کام نہیں لیتے تھے، اللہ کی راہ میں جہاد
کے لئے نکلتے تھے، اعلائے کلمۃ الحق میں پیش پیش
رہتے تھے۔ یدعون الی الخیر ویامرون
بالمعروف وینھون عن المنکر واولٓئک
ھم المفلحون ٥ کا مجسمہ اور پیکر بنکر لوگوں
کو برائی سے روکتے تھے اور نیکی کا حکم دیتے تھے
اللہ کے تابعِ فرمان رہتے تھے، بیوی بچوں اور
ہمسائیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ پیش
آتے تھے، ضرورت کی تکمیل میں دوسرے کو اپنی ذات
پر ترجیح دیتے تھے، خود تکلیف اٹھاتے تھے، دوسرے
کا کام کرتے تھے، ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے
ملتے تھے، مہمان نوازی میں خوشی محسوس کرتے تھے
بہرحال آنحضرت کے کمالات، اوصاف شمار سے باہر
ہیں، آپ ان تمام چیزوں پر خود عامل تھے، لوگوں کو
ان پر عمل کی تلقین فرماتے تھے اور اس پر عمل کرنے
والے سے محبت کرتے تھے، آج جو شخص رسول
اللہ سے محبت و الفت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا
فرضِ اولین ہے کہ ان اوصاف و کمالات کا عامل بنے
جن چیزوں، جن باتوں کے حضور عامل تھے ان باتوں کو
پسند کرے جنہیں آنحضرت پسند فرماتے تھے۔ ان چیزوں
کو ترک کرے جن چیزوں سے حضور کراہت فرماتے تھے
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے ساتھ انتہائی محبت کرتے تھے، انہوں نے
حتی الامکان لباس میں، اکل میں، شرب میں، اندازِ
حیات کے ہر گوشہ میں آپ کی عادات و اطوار کو پوری
طرح اپنا لیا تھا، چنانچہ جامع ترمذی شریف میں ہے
عن عبید ابن جریج انہ قال لابن عمر
رأیتک تلبس النعال السبتیۃ ہ قال رأیت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبس النعال
التی یتوضأ فیہا فانا احب ان البسہا ٥
عبید بن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا
کہ میں آپکو دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ ایسے چمڑے
کی چپل پہنتے ہیں جس پر بال نہیں ہیں اسکی کیا وجہ
ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی چپل
پہنتے ہوئے دیکھا تھا جس پر بال نہ تھے اس لئے
مجھے بھی ایسے ہی چپل پسند ہیں۔

برادرانِ اسلام! غور فرمائیں کہ تقاضائے
محبتِ رسول اس کا نام ہے کہ لباس میں بھی صحابہ
کرام نے وہی انداز اختیار فرمایا تھا جو سرکارِ دوعالم،
سردارِ دوجہاں، تاجدارِ کونین کا تھا۔

غالباً حضرت عبداللہ بن عباس کا واقعہ ہے کہ

وہ قمیص کا ایک بٹن کھلا رکھتے تھے۔ ان سے کسی نے
پوچھا کہ آپ قمیص کا بٹن کھلا کیوں رکھتے ہیں۔ جواب
دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی
طرح دیکھا ہے کہ آپ کی قمیص کا بٹن کھلا ہوا تھا
اب مجھے یہی ادا پسند اور محبوب ہے،

اللہ! اللہ! محبت کی یہ سرشاری، روحانیت
کا غلبہ اور زور، کہ محبوب کی ہر نقل وحرکت کے نقوش
پر زندگی کا انحصار کرنا، غرضیکہ ہر معاملہ میں جاں نثار
صحابہ پیش پیش رہتے تھے اور اپنے رفقائے عظام
کو تکلیف دینا گوارا نہ فرماتے تھے۔ آنحضرت سے محبت
و تعلق کا یہ کتنا اونچا درجہ ہے کہ آپ کے صحابہ نے
اپنی زندگیوں کو اسی قالب میں ڈھال لیا تھا کہ جس
میں خود آنحضرت کی زندگی ڈھلی ہوئی تھی اور عمل کردار
کے اس سانچہ میں اپنے آپ کو موزوں کر لیا تھا
کہ جس میں رسالتمآب کی ذات اطہر و اقدس موزوں
تھی۔ ہم مسلمانِ عالم کو اس کے مقابلہ میں اپنے
اعمال و افعال اور اقوال و کردار کا جائزہ لینا چاہئے
ہم زبان سے محبت و الفت کے دعویٰ میں سب کچھ
کہتے ہیں لیکن ہمارے عمل کی دنیا بالکل مختلف اور
بے لگاؤ ہے۔ ہم میں نہ جوشِ عمل ہے نہ قوت کردار
ہے اور نہ قول و فعل میں یکسانی اور ہم آہنگی ہے
ہم یوں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت ہم کو بہت
ہی محبوب ہیں لیکن یہ لفظ دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس

عمل کا خانہ بالکل خالی ہے۔ اس پیکرِ محبوبی سے محبت
و الفت کا بنیادی تقاضا تو یہ ہے کہ ہم انہی مبارک
امور اور منور طریقۂ حیات کو پسند کریں جو آپ کو پسند
اور مرغوب تھے، ہم مظلوموں کی مدد کریں، ظالم کو برا
سمجھیں، ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کریں،
ہمارے دل مخلوقِ خدا پر رحم سے معمور رہوں، ہماری
زبان میں فدویت کی حلاوت اور شیرینی پائی جاتی ہو
اور کلمۂ حق کہنے میں بے باک اور برائی کا قلع قمع کرنے
میں بے تاب اور مضطرب ہوں، بڑوں کو عزت کی نگاہ
سے دیکھیں اور عظمت و توقیر کے ساتھ پیش آئیں
اپنے بھائیوں کے جذبات کا احترام کریں، ان کی رائے
کو اہمیت دیں، ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کریں
اور ان کے لئے بھی اسی شئی کو پسند کریں جو اپنے لئے
پسند کرتے ہیں، ظالم کا ظلم سے ہاتھ روکیں اور ستم رسیدہ
کی امداد کو آگے بڑھیں۔ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ ہر وقت
لینا چاہئے کہ کیا ہم میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں؟ کیا ہم
ان اوصاف سے متصف ہیں جو نفوسِ امتِ مسلمہ
اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کے تاجدارِ مدینہ نے
چھوڑا ہے ؎

محمد مصطفےٰ کی سیرتِ اقدس کا ہر لمحہ
کی جان ہے گنجینۂ فیضان ہے ساقی

اگر جواب اثبات میں ہے تو ہم انتہائی بلند بخت اور
خوش قسمت ہیں اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے نفی میں ہے

اخبار آستانہ عالیہ علی پور شریف سیّداں

(۱) آفتاب طریقت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت شمس الملت مولانا الحاج پیر سید نور حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی عرس شریف کے بعد جب تک کراچی و دیگر بلاد بعیدہ کے زائرین اور مہمان علی پور شریف میں مقیم رہے آپ بھی وہیں مقیم رہے۔ جب وہ رخصت ہو گئے تو آپ مورخہ ۶ جون بروز اتوار بذریعہ طیارہ کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ بذریعہ طیارہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے ہیں۔

۲۔ علامۂ زماں حضرت جوہر الملت مولانا الحاج پیر سید اختر حسین شاہ صاحب اور تاج الاصفیاء حضرت معین الملت مولانا الحاج پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب اور حضرت مولانا الحاج پیر سید انور حسین شاہ صاحب اور عمدۃ الفقراء حضرت مولانا الحاج پیر سید اشیر حسین شاہ صاحب اور زبدۃ الصلحاء حضرت مولانا الحاج پیر سید نذر حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی اور دیگر جملہ حضرات اور صاحبزادگان علی پور شریف بخیر و عافیت مقیم ہیں۔

۳۔ قیوم زماں قطب دوراں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے روضہ شریف کی تعمیر کا کام حضرت جوہر الملت پیر سید اختر حسین شاہ صاحب کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ گنبد شریف کا کام عنقریب پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیگا۔

۴۔ حضرت جوہر الملت مولانا الحاج پیر سید اختر حسین شاہ صاحب کا ارشاد گرامی ہے کہ جملہ یاران طریقت جناب ملا صاحب کے لئے جو اپنے مخلص یار طریقت اور ایک عرصہ سے ایک کیس میں ماخوذ ہیں، خلوص قلب سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے باعزت طور پر بری کرے۔ آمین۔

۵۔ حضرت شمس الملت اور حضرت جوہر الملت مدظلہم العالی کا ارشاد ہے کہ "ملفوظات امیر ملت" کا ہر ایک پیر بھائی کے پاس ہونا لازم ہے۔ اب چوتھی مرتبہ قصور سے ایڈیٹر انوار الصوفیہ کے زیر اہتمام نہایت عمدہ چھپی ہے۔ وہاں سے ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر منگوائیں۔ اس کے بعد اپنے سلسلہ کی دوسری نایاب کتابیں بھی گوہر صاحب چھپوانے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ لیکن اس کام کی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے آپ لوگوں کے تعاون کی بہت ضرورت ہے اس لئے ہر پیر بھائی ملفوظات شریفہ کو خریدے اور پڑھے۔

(کتبہ فقیر شاہ محمد النوری القصوری عفی عنہ)

Regd. No. L 7478 JULY 1965
The Monthly
ANWAR-UL-SOOFIA